قرآن

اور

علم الافلاک

مولفہ

پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین ہمدانی
اجمل خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ناشر
رنگ محل پبلی کیشنز
انصاری روڈ۔ مظفر نگر (یوپی)

نام کتاب ـــــــــ قرآن اور علم الافلاک

مؤلف ـــــــــ پروفیسر سید کمال الدین حسین ہمدانی

قیمت ـــــــــ -/12 بارہ روپیہ صرف

پریس ـــــــــ مختار پریس دیوبند

پہلا ایڈیشن ـــــــــ نومبر ۱۹۸۷ء

رنگ محل پبلی کیشنز

انصاری روڈ۔ مظفر نگر یوپی

فہرست

عنوان	صفحہ

تعارف

قرآن شریف۔ میں آسمانوں کا اور اس کے ساتھ زمین، سورج چاند اور ستاروں کا اس کثرت سے ذکر آیا ہے کہ کسی بھی شئے کا اتنا بیان نہیں ہے۔ خدائے پاک نے اپنی عظمت وکبریائی کی شہادت میں بار بار ان ہی کو بیان فرمایا ہے۔ کیونکہ انسان کی ظاہری نظر کے لئے اس سے عظیم کوئی شئے ہی نہیں ہے۔ خلاق عالمیان فرماتا ہے لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون ہ (سورہ مومن آیت ۵۷) یقینی طور پر آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا آدمیوں کی تخلیق سے زیادہ (بڑا امر) ہے۔ لیکن اکثر لوگ (اس کو) نہیں جانتے۔

نیز ارشاد حق تعالیٰ ہے تنزیلاً ممن خلق الارض والسموٰات العلی۔ یہ قرآن اترا ہوا ہے اور اس کی طرف سے ہے کہ جس نے زمین گرد بلند آسمانوں کو پیدا کیا ہے۔

مذکورہ بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ آسمان اور زمین اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔ اور اسکی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ پھر ارشادِ حق تعالیٰ ہوتا ہے۔

قل انظروا ماذا فی السمٰوات والارض وما تغنی الآیٰت والنذر عن قوم لا یؤمنون (یونس آیت ۱۰۲) کہہ دیجئے کہ دیکھو تو کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور کچھ کام نہیں آتیں نشانیاں اور ڈرانے والے ان لوگوں کو جو ایمان نہیں لاتے۔ آیت واضح طور پر علم الافلاک کی

تحصیل کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے علاوہ فرمایا ہے۔

وما خلق السماء والارض وما بینھما باطلاً ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار ○ (سورہ ص آیت ۲۷) اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے (ان کو) باطل (فرضی یا بیکار نہیں) بنایا ہے۔ یہ خیال تو ان ہی لوگوں کا ہو سکتا ہے جو کافر ہیں۔ سو (ایسے) کافروں کے لیئے دوزخ کی (وادی) "ویل" (مختص) ہے۔

اس آیت میں بھی افلاک اور زمین اور ان کے درمیان کی مخلوق کا علم حاصل کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی طرف انسان کو متوجہ کیا گیا ہے کہ انسان قول حق پر ایمان لا کے حصول علم الافلاک کی طرف متوجہ ہو اور جو اس کا منکر ہو یا ان چیزوں کو بے کار خیال کرے تو ایسے کافروں کے لیئے دوزخ کا سب سے زیادہ خوفناک اور بد تر مقام ہے۔

طلوع و غروب آفتاب کے صحیح اوقات، دن، رات، ہفتہ، مہینہ، سال سورج و چاند گرہن اور فصلی تغیرات اور فصول کی مدت اور کیفیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لیئے اجرام فلکی کا علم نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ہے، ساتویں پارہ رکوع ۱۸- میں۔ فالق الاصباح وجعل الیل سکناً والشمس والقمر حسباناً ذالک تقدیر العزیز العلیم (ترجمہ) خدا تعالیٰ صبح کا روشن کرنے والا ہے۔ اس نے رات کو آرام کا وقت بنایا ہے اور چاند سورج کو بحساب مقرر و بہ اندازہ مقرر قرار دیا ہے۔

اسی پارہ اور رکوع میں فرماتا ہے:۔ وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا فی ظلمات البر والبحر۔ اس نے تمہارے واسطے ستارے بنائے کہ ان سے خشکی و تری کی ظلمتوں میں ہدایت پاسکو۔ یہاں لفظ ظلمت دونوں معنی میں ہو سکتا ہے ایک یہ کہ تاریکی میں راہوں کا پتہ لگانا خواہ سفر زمین پر ہو یا سمندر میں ان ستاروں کے ذریعہ ممکن ہے۔ مثلاً قطب تارے سے

نقطۂ شمال و جنوب معلوم کیا جاتا ہے اور پھر اسی سے مشرق و مغرب کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ قبلہ وغیرہ بھی اس سے دریافت ہو سکتا ہے یا سہیل سمینی ہے کہ اس میں بھی شمال و جنوب کا پتہ ملتا ہے۔ ثریا سے مشرق و مغرب کا خط معلوم کیا جاتا ہے۔ عیوق سے بعض مقامات پر قبلہ معلوم کیا جاتا ہے۔ ارزانی و گرانی، موت و حیات، اقبال، ادبار، صحت و مرض وغیرہ لامعلوم چیزوں کو انہی ستاروں کے ذریعہ معلوم کر سکتے ہیں، پس ہم نے ان ستاروں کو ظلمات و ناواقفیت کا راہنما بھی بنایا ہے تاکہ لوگ ان سے ہدایت پائیں۔

یہی نہیں حق تعالیٰ نے دن اور رات شمس و قمر کو انسان کے لئے مسخر بھی کر دیا ہے (پارہ ۱۴۔ رکوع ۸) میں فرمایا۔ وسخر لکم الليل و النهار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ تمہارے لئے خدا نے رات اور دن سورج اور چاند کو مسخر کیا اور ستارے بھی اس کے حکم کے مسخر ہیں یعنی اس کے حکم کے مطابق چلتے اور حرکت کرتے ہیں تاکہ حساب میں غلل نہ پڑے۔ بس دور جدید میں انسان اگر دن اور رات۔ سورج اور چاند اور تاروں سے مستفید ہو رہا ہے چاند اور دیگر سیاروں تک پرواز یں کر رہا ہے اور چاند و سورج اور دیگر سیاروں کا علم حاصل کرنے اور ان سے استفادہ کرنے کی طرف راغب ہے۔ اور چاند تک پہونچ چکا ہے اور مریخ پر جانے کا ارادہ رکھتا ہے تو کوئی قابلِ حیرت بات نہیں ہے جو قرآن میں موجود نہ ہو قرآن نے پہلے ہی فرما دیا کہ انسان کے لئے شمس و قمر اور ستارے وغیرہ مسخر کر دیئے گئے ہیں۔ لہذا خلائی پرواز میں انسان حقیقی منزلیں طے کرتا جائے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ کے قرآنی ملفوظات کی تائید و تصدیق ہوتی جائے گی۔

پھر افلاک اجزائے سماوی اور درمیانی مخلوق کے متعلق قرآن

ہیں نہایت واضح آیات ملتی ہیں۔ جن کی تائید جدید فلکیاتی نظریہ سے بھی ہوتی ہے۔

حقیقت فلک

سورۂ یٰسین میں زمین و اشجار و احجار و آفتاب و ماہتاب و منازلِ سماویہ کے بیان کے بعد خدائے تعالےٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ھو الذی خلق اللیل و النہار و الشمس و القمر کل فی فلک یسبحون سورۂ النساء آیت ۳۳۔) ترجمہ :- (اس کی) وہی ذات ہے کہ جس نے رات اور دن اور سورج و چاند کو پیدا کیا ہے اور (یہ) کل (اپنے اپنے) مدار (دائرہ گردش) میں تیرتے ہیں۔

اس آیت قرآنی سے چند لطیف امور مستنبط ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ اجرام سماویہ مثلاً آفتاب و ماہتاب زہرہ و مریخ وغیرہم نے اور فلک میں چلتے اور حرکت کرتے ہیں جیسا کہ متاخرین حکماء یورپ کی رائے ہے اور یہ متقدمین کے بالکل خلاف ہے جن کی رائے تھی کہ یہ تمام اجرام مثل میخوں کے آسمانوں کی دبازت کے اندر جڑے ہوئے ہیں۔ اپنے مقام سے ہل نہیں سکتے بلکہ اپنے افلاک کی حرکت کے ساتھ یہ تبعیت حرکت کرتے ہیں حالانکہ آیت قرآنی اس کے خلاف ظاہر فرما رہی ہے اور خود سیارات کی حرکت کی قائل ہے۔ اس حرکت کا محقق فخر الدین رازی نے بھی اقرار کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ظاہر قرآن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ افلاک اپنی جگہ پر قائم ہیں اور سیارات ان میں حرکت کرتے ہیں۔ جس طرح مچھلی پانی میں تیرتی ہے۔ (۲) یہ کہ اجرام سائرہ (سیارات) جو اپنے افلاک میں حرکت کرتے ہیں۔ وہ ان مچھلیوں سے مشابہت رکھتے ہیں۔ جو پانی میں تیرتی ہیں کیونکہ آیت نے سیارات کی

سے تعبیر فرمایا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ سیارات کے افلاک صرف رستے اور مدار ہیں جن پر کواکب حرکت کرتے ہیں جس طرح پرندے ہوا میں یا مچھلیاں پانی ہیں، جیساکہ حکمائے یورپ کی رائے ہے۔ نہ یہ کہ افلاک سے مراد بڑے بڑے اجسام ہیں۔ ان کے اندر کواکب اور سیارات جڑے ہوئے ہیں۔

سورہ یٰسین میں ہے والقمر قدرناہ منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم :۔ چاند کے لئے ہم نے منزلیں قرار دی ہیں یہاں تک کہ دوبارہ مثل شاخ کہنہ کے (جھک کر خم) ہو گیا۔ مطلب یہ کہ ہم نے چاند کی رفتار منزل بمنزل قرار دی۔ یہاں تک کہ دوبارہ پھر ہلال بن کر مثل شاخ کہنہ کے ہو گیا۔ اس آیت میں خدائے تعالیٰ نے جرم قمر کو اس مسافر سے تشبیہ دی ہے جو خود طے مراحل و قطع منازل خود کر رہا ہو جیساکہ حکمائے یورپ کی رائے ہے

جناب امیرالمؤمنین علیہ السلام نظم سماوات کو بیان فرماتے ہوئے اس خطبہ میں جو نہج البلاغہ میں موجود ہے ارشاد فرماتے ہیں۔ وعلق فی جوھا فلکھا :۔ فضائے آسمان میں خدائے تعالیٰ نے سیارات کے افلاک کو معلق فرمایا۔ ظاہر ہے کہ فلک سیارات کا فضاء میں معلق کرنا انہیں لوگوں کے قول کے مناسب ہے جو اس امر کے قائل ہیں کہ فلک سیارات کے مدار کو کہتے ہیں جو چیز فضا میں مثل حلقہ معلقہ کے ہے۔

جناب امیر علیہ السلام کا قول جو نہج البلاغہ میں موجود ہے حضرت فرماتے ہیں۔ والجو المکفوف الذی جعلتہ مغیضا للیل والنہار ومجری للشمس والقمر ومختلفا للنجوم السیارۃ :۔ وہ فضائے بستہ جس کو تو نے (اے پروردگار) رات اور دن کے غائب ہونے کی جگہ اور شمس و قمر کے چلنے کی جگہ اور سیارات کی آمدورفت کا مقام

قرار دیا ہے۔ اس کلام میں حضرت نے خود شمس و قمر کی حرکت اور نجوم کی رفتار ذاتی کو نفضا ریس فرمایا ہے۔ پس لامحالہ یہ کلام جدید ہیئت کے مطابق ہو گا۔ (جو مکفوف سے مراد یہ ہے کہ وہ فضا جو بہہ نہ جائے یعنی باوجود مادہ ایتھریہ کے بکھرے ہوتے کے پھر ایک حالت پر قائم ہے جیسے کوئی جمی ہوئی شے) اور تحقیق اس مقام کو کہتے ہیں جو پانی کو جذب کرتا اور اپنے اندر کھینچ لیتا ہے۔ اس مقام پر نور و ظلمت کو حضرت نے لیل و نہار سے تعبیر فرمایا ہے۔ نہار یعنی دن کی روشنی کے شب میں معدوم ہو جانے اور اس طرح تاریکی لیل کے دن میں زائل ہونے کو پانی کے جذب ہونے سے زمین میں تشبیہہ دی ہے یعنی جس طرح زمین پانی کو چوس لیتی ہے اسی طرح یہ فضا تاریکی و روشنی کو جذب کر لیتی ہے۔ اس وہ مسئلہ بھی حل ہوتا ہے جو متاخرین نے سپکٹر اسکوپ وغیرہ کے ذریعہ سے معلوم کیا ہے کہ ہوا و فضا روشنی کے بڑے حصہ کو بحسب اپنی طبیعت کے مقتضا کے جذب کر لیتی ہے اور جو باقی رہ جاتی ہے وہ روشنی ہم تک پہنچتی ہے جس سے متاخرین نے بڑے بڑے کام لئے ہیں اور ہزار در ابواب علم ان پر منکشف ہو گئے ہیں لیکن باب مدینۂ علم حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو تو رسول اللہ نے ہزار باب علم کے تعلیم فرمائے تھے اور ہر باب سے ہزار ہزار باب علم اور بھی منکشف ہو گئے جن میں سے ایک یہ بھی مسئلہ ہے جسے آپ نے سنا جس سے حکیم ہزار ہا نتیجے پیدا کرتا ہے۔

آسمانی رنگ

موجودہ خلائی پرواز کرنے والوں نے بیان کیا ہے کہ خلا سے آسمان کا رنگ نیلگوں کے بجائے سیاہ نظر آتا ہے اور یہ ظاہر کیا ہے

چٹا دکھائی دیتا ہے۔

کلامِ مبین سے بھی واضح ہوتا ہے کہ جرم آسمان کے ساتھ ایک قسم کا ابر ملصق ہے جسے غمام فرمایا ہے چنانچہ قیامت میں آسمان اسی ابر کے ساتھ شق ہوگا۔ یوم تشقق السماءُ بالغمام۔

شمس (سورج)

کیا آفتاب حرکات اجرام فلکیہ کا مرکز ہے

کوپرنیکی علم ہیئت کے مطابق جو اسلامی سنہ ہجری سے بہت متاخر ہے) ثابت ہو گیا ہے کہ آفتاب ایک مقام پر قائم ہے اور باقی کواکب اس کے گرد حرکت کرتے ہیں اور اسی ذریعہ سے اس کے تمام مجذوب سیارات کی حرکتوں کا انتظام درست ہوتا ہے اس صورت میں آفتاب مثل مرکز کے قرار پاتا ہے اور ان تمام حرکات کا وسط ٹھہرتا ہے۔

محققین حکمائے حال کی رائے یہ ہے کہ آفتاب کی دو حرکتیں ہیں ایک وضعیہ اور دوسری انتقالیہ۔ حرکت وضعی سے مراد آفتاب کا اپنے محور کے گرد حرکت کرنا ہے اور حرکت انتقالیہ سے مراد یہ ہے کہ فضائے وسیع میں آفتاب مع تمام سیارات کے جو اس کے نظام کے اندر واقع ہیں حرکت کرتا ہے۔

سورۂ یٰسین آفتاب کی مذکورہ دونوں حرکات کو بیان کر رہا ہے۔ آیہ والشمس تجری لمستقرلہا سے آفتاب کی حرکت کر رہا ہے۔ اور یہ لا الشمس ینبغی لہا ان تدرک القمر سے آفتاب کی حرکت انتقالیہ

پر روشنی پڑتی ہے۔ آیت کا مطلب ہے کہ آفتاب سے ممکن نہیں ہے کہ وہ چاند کو پا لے۔ ادراک کے معنیٰ آگے گئی ہوئی چیز کو پا لینے اور چھو لینے کے ہیں۔ تحقیقات جدید کے مطابق اور آفتاب اپنی سیر انتقالی ہیں مع تمام سیارات (۱۲) میل فی سکنڈ حرکت کرتا ہے اور قمر اپنی سیر انتقالیہ ہیں زمین کے ساتھ (۲۰) میل فی سکنڈ حرکت کرتا ہے۔ تو فلسفۂ جدیدہ کی رو سے بھی آفتاب کبھی چاند کو نہیں پا سکتا۔ کیونکہ اس کی حرکت سست ہے اور اس کی حرکت تیز پس سورۂ یٰسین دونوں حرکتوں کو بتا رہا ہے۔

آفتاب ایک ہی ہے یا کئی ہیں

حکمائے جدید نے بہت سے آفتاب بیان کئے ہیں اور دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے کہ ثوابت وسیارے بجائے خود ایک ایک آفتاب ہیں جو فضا ہیں گردش کرتے رہتے ہیں مگر بسبب دوری کے ہمیں ان کی گردش محسوس نہیں ہوتی اور یہ کہ ان کو ہمارے اس نظام شمسی سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ ان سب کے نظام جدا جدا ہیں۔

سورۂ فرقان کی ایک آیت سے بھی تعدد آفتاب ثابت ہو۔ ملاحظہ ہو:-

تبارک الذی جعل فی السماء بروجًا وجعل فیھا سراجًا۔ اس آیت میں قرأت مشہورہ سراجًا ہے یعنی مفرد جس سے مراد یہی آفتاب ہے مگر مفسرین نے اسے سُرجًا بضم سین وبضم را بھی پڑھا جائے جو سراج کی جمع ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو یعنی اصل آیت ہیں سُرجًا ہی نازل ہوا ہو تو قرآن مجید سے بھی تعدد آفتاب ہو جائے گا۔ جس کا اعتقاد متاخرین حکما کو ہے

اور اس لحاظ سے آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ "مبارک ہے وہ پروردگار جس نے سماء میں کئی برج اور کئی آفتاب پیدا کیے" کیونکہ سراج اسی کو کہتے ہیں جو خود روشن بھی ہو اور حرارت بھی اس میں پائی جاتی ہو۔ نیز یہ سماء بلند چیز کو کہتے ہیں۔ ہماری شریعت میں اس سے مراد کہیں کرۂ بخار یہ ہے کہیں کرۂ سیارات اور کہیں فضائے عالم جیسا کہ اس آیت میں ہے گویا اس کلام سے خدائے تعالیٰ کا یہ مطلب ہے کہ اس نے فضائے بلند میں چند برج اور چند آفتاب پیدا کئے ہیں جو فی نفسہ روشن ہیں۔

حکمائے مغرب کے وجود سے کئی صدی پیشتر ائمہ طاہرین علیہم السلام نے واضح فرما دیا ہے کہ متعدد آفتاب اس عالم میں موجود ہیں اور چاند بھی متعدد ہیں۔ ملاحظہ ہو یہ کتاب بصائر الدرجات شیخ صفار متوفی سنہ ۲۹۰ھ اور کتاب بحار الانوار جلد چودھویں، مجلسی متوفی ۱۱۱۱ھ حضرت امام ابو عبداللہ الصادق جعفر بن محمد علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، تمہارے اس آفتاب کے علاوہ چالیس آفتاب اور بھی ہیں۔ جن میں بہت سے خلقت خدا کی بود و باش ہے اور تمہارے اس چاند کے علاوہ بھی چالیس چاند (بہت سے چاند) ہیں جن میں بہت سے مخلوق خدا آباد ہیں اور جنہیں یہ بھی خبر نہیں کہ آدم پیدا ہوئے یا نہیں ——

اس حدیث شریف میں صراحۃً متعدد آفتابوں کا ہونا بیان فرمایا گیا ہے جو ہمارے نظام شمسی سے الگ ہیں جیسا کہ حکمائے متاخرین نے اس زمانہ میں دعویٰ کیا ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ حضرت نے چالیس آفتاب فرمایا تو اس کی کئی وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ عربی زبان میں چالیس، ستر، سو اور پانچ سو وغیرہ الفاظ محض کثرت کے اظہار کے موقع پر استعمال ہوا کرتے ہیں۔ پس ممکن ہے کہ امام نے چالیس کا لفظ بمعنیٰ بہت سے کے استعمال فرمایا ہو۔

یعنی بہت سے آفتاب ہیں

دوسرے یہ بھی ممکن ہے کہ اس وقت جو لوگ سننے والے تھے۔ اس سے زیادہ تعداد کا تحمل ان کو نہ تھا۔ اسی وجہ سے اس تعداد پر امام نے اکتفا فرمائی اور اسی وجہ سے ایک روایت میں صرف بارہ ہے اور تیسری روایت میں بغیر بیان عدد کے تعدد ظاہر فرمایا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ جتنے آفتاب دورِ جدید میں محسوس کئے گئے ہیں۔ ان سب کی بابت حکمائے حال کا خیال ہے کہ ابتدا میں یہ مثل ایک مٹی کے ڈھیلے اور گرم گیسوں کے مجموعہ کے تھے پھر رفتہ رفتہ ان میں حرکت دوری شروع ہوئی۔ یہاں تک کہ انہوں نے کروی شکل اختیار کی۔ اور رفتہ رفتہ ان پر جمادات و نباتات پیدا ہوئے۔ پس ممکن ہے کہ امام نے آفتابوں کی تعداد جس وقت چالیس ظاہر فرمائی تو اس وقت چالیس ہی ثوابت نے آفتاب بننے کی صلاحیت حاصل کی ہو۔ اور اب جبکہ بارہ سو برس گذر چکے چالیس سے زیادہ ثوابت وسیارگان نے آفتاب بننے کی صلاحیت حاصل کرلی ہو۔ لیکن پہلی دونوں وجہیں اس تیسری وجہ کے مقابلہ میں زیادہ قوی ہیں۔

آفتاب و ماہتاب کی مخلوق

اس حدیث میں حضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ آفتاب و ماہتاب میں بہت سی مخلوق آباد ہے۔ بظاہر یہ کلام تحقیق جدید کے مخالف ہے کیونکہ حکمائے حال کی رائے یہ ہے کہ آفتاب و ماہتاب دونوں ہی میں اسباب تعیش موجود نہیں ہیں۔ مثلاً ہوا پانی وغیرہ نہیں ہیں۔ مگر ممکن ہے کہ حضرت کی مراد آفتاب و ماہتاب کی مخلوق سے انکے

نظام کی مخلوق ہو۔ یعنی ہر آفتاب کے نظام میں مخلوقات کثیرہ ہیں نہ یہ کہ خود آفتاب میں مخلوقات کثیرہ ہیں۔

دیگر یہ کہ بعض ماہرین فلکیات مثلاً ہرشل اور ارغو وغیرہ متاخرین نے بیان کیا ہے کہ کل اجرام بلا استثنار قابل سکونت ہیں جن میں مخلوقات آباد ہے حتیٰ کہ شمس وقمر میں بھی لیکن ہر ایک میں اس کے قابل مخلوق ہے جیسی مخلوقات کے رہنے کی ان اجرام میں صلاحیت ہے۔ ویسے ہی مخلوقات وہاں آباد ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ زمین کی طرح ان میں آبادی ہو۔ مذکورہ حدیث میں مخلوق خاص کو بیان نہیں کیا گیا بلکہ صرف مخلوق کہا گیا ہے۔ تو معلوم وہ جمادات کے قسم سے ہیں یا نباتات یا حیوانات کی قسم سے ہیں یا کسی اور صنعت کے۔

قمر (چاند)

قمر کا مقام :۔ جدید فلاسفہ کی یہ رائے ہے کہ چاند زمین کا سب سے قریبی پڑوسی ہے۔ زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ میل سے کچھ زیادہ بتایا جاتا ہے اور چاند زمین کے گرد اپنے مدار پر دورہ کرتا ہے ایک مستقل کرہ ہے۔ جو فضا میں دورہ کرتا ہے اور اپنی سالانہ گردش میں زمین سمیت ایک مدار پر حرکت ہے۔ چونکہ زمین کا مدار اور فلک تمام سیارات کے افلاک کے درمیان میں واقع ہوا ہے اس لئے چاند کا محل تمام سیارات کے درمیان کے درمیان قرار پاتا ہے۔ اقوال شریعت بھی اس جدید نظریہ کے مطابق ملتے ہیں مثلاً سورۂ نوح کی آیت :۔

الم تروا کیف خلق اللہ سبع سمٰوات طباقا وجعل القمر فیھن نورًا وجعل الشمس سراجا۔ کیا تم لوگوں نے نہیں دیکھا کہ خدا تعالےٰ

نے کس طرح سماوات پیدا کیئے جو تہہ بہ تہہ ہیں۔ اور ان کے درمیان چاند کو نور بنایا اور آفتاب کو چراغ لفظ فیھن اس آیت میں بتا رہا ہے کہ چاند ان تمام افلاک کے بیچوں بیچ واقع ہے۔

کیونکہ پروردگار عالم نے یہ نہیں ارشاد فرمایا کہ چاند کو کسی ایک آسمان میں پیدا کیا ہے۔ بلکہ فرمایا کہ اسے بیچ میں آسمانوں کے خلق کیا ہے۔ جو بالکل تحقیق جدید کے مطابق ہے۔ خواہ ہم سماوات سے افلاک مراد لیں یا سماوات سے کرات، سیارات ثوابت مراد لیں۔ بہر حال اس آیت کی رو سے چاند کا محل وسط معلوم ہوتا ہے۔

تعدد قمر

جدید ماہرین فلکیات نے اٹھائیس چاند دریافت کئے ہیں۔ ایک چاند ہماری زمین کا ہے۔ دو چاند مریخ کے ہیں۔ آٹھ مشتری کے ہیں آٹھ زحل کے ہیں۔ آٹھ ارنوس کے ہیں اور ایک نیتون کا ہے۔ ان کے علاوہ بھی بعض ماہرین نے چاند دیکھے ہیں۔

ہمارے رسول کے اوصیاء کے اقوال پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ جب اس عالم میں کہیں نور قمر کا ذکر بھی نہیں تھا اور نہ کسی کے وہم وگمان میں یہ بات آسکتی تھی ائمہ طاہرین نے تعدد قمر کا مسئلہ بیان فرما دیا تھا جیسا کہ ایک حدیث تعددِ شمس کے ضمن میں لکھی جا چکی ہے کہ جس سے چالیس شمس تک کا پتہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور روایت کتاب روضۂ عراقی میں حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام سے ملی ہے جس سے وجود دیگر چاندوں کا علاوہ ہماری زمین کے قمر کے معلوم ہوتا ہے۔ اس میں حضرت نے فرمایا ہے قمرنا در قمرھم "ہمارا

چاند اور ان کا چاند احسن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اس چاند کے علاوہ کسی دوسرے عالم کے لئے دوسرا چاند بھی ہے۔

قمر کی کیفیت

چاند گرم ہے یا سرد۔ پہلے تو سب کا خیال یہی تھا کہ چاند کی روشنی ٹھنڈی ہے حرارت کا اس میں نام بھی نہیں ہے۔ اور یہ کہ عنصر ناری کو اس میں دخل ہی نہیں ہے۔ مگر متاخرین نے تحقیق کیا ہے کہ چاند کی روشنی میں کسی قدر حرارت بھی ضروری ہے۔ مسٹر فاندیک اپنی کتاب اصول ہیئت میں لکھتے ہیں: چاند اپنی حرارت کو زمین کی طرف دو طریقوں سے بھیجتا ہے۔ ایک بذریعہ انعکاس کہ اول اس پر آفتاب کی شعاع پڑتی ہے پھر وہ شعاع وہاں سے منعکس ہو کر زمین پر آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خود بھی قمر جب آفتاب کے نیچے آجاتا ہے۔ اور اس کی حرارت سے گرم ہوتا ہے۔ تو حرارت بذریعہ نور قمر کے زمین تک آتی ہے۔ اسی طرح فیلکس ورنر کی کتاب ہیئت کے ترجمے میں مذکور ہے۔ چاند کی روشنی کے ساتھ ساتھ کسی قدر حرارت بھی ہوتی ہے۔ اگرچہ سابق حکمار اس کے منکر تھے۔ مگر حکمار حال نے آلات و تجربات کے ذریعہ اس کو ثابت کر دیا ہے۔

تمام متاخرین حکمار سے بہت پہلے ہمارے آٹھویں امام جناب علی بن موسی الرضا علیہ السلام نے اس مسئلہ کو ارشاد فرمایا ہے۔

آپ تفسیر قمی اور مجمع البحرین، نیز بحار الانوار اور نور الثقلین سے منقول ہے کہ امام رضا علیہ السلام نے فرمایا الشمس و القمر آیتان۔ یعنی آفتاب و ماہتاب دونوں ہی خدائے تعالی کے قدرت و وجود کی نشانیاں

ہیں۔ پھر فرمایا۔ ضوئہما من نور عرشہ وحرہما من نار جہنم ان دونوں کی روشنی تو عرش خدا کی روشنی سے ماخوذ ہے اور انکی حرارت جہنم کی آگ سے ہے جب قیامت ہوگی تو ان دونوں کی روشنی عرش کی طرف واپس جائے گی اس وقت آفتاب باقی رہے گا کا نزمہتاب

اس حدیث سے چند حقائق کا انکشاف ہوا ہے۔

(۱) جرم آفتاب میں خود حرارت ہے۔

(۲) قمر کی روشنی بھی ذاتی ہے۔ نہ کہ آفتاب کی روشنی سے روشن ہے (۳) جرم قمر میں بھی حرارت موجود ہے۔

(۴) کسی شئے کا فنا ہو جانا اس صورت کے فنا ہو جانے اور مادہ منتشر ہو جائے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اصل مادہ بھی فنا ہو جائے۔

یہ حقیقت کہ قمر کا نور بھی ذاتی ہے۔ اس کی تائید مسٹر ہرشل کے قول سے بھی ہوتی ہے جو کتاب حدائق النجوم میں ہے۔ تمام اجرام مظلمہ (غیر روشن) میں ایک حقیقت نور پایا جاتا ہے جو اس کا ذاتی ہے لہذا چاند میں ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

اس کی تائید یوں بھی ہوتی ہے کہ اکثر چاند آفتاب کی موجودگی میں بھی دکھائی دیتا ہے۔ اور سفید اور روشن معلوم ہوتا ہے جبکہ آفتاب سے بہت دور ہوتا ہے۔ اگرچہ اتنی روشنی اس میں نہیں ہوتی جتنی کہ رات کو ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ گہن کے موقع پر بھی ہم نے دیکھا ہے کہ اس میں خفیف روشنی اور سفیدی محسوس ہوتی ہے جو مائل بہ سرخی ہوتی ہے۔

دیگر یہ کہ چاند کے اندر اجزائے ناریہ اور طبقات ناریہ پائے جاتے ہیں اور یہی رائے متاخرین کی بھی ہے کہ قمر میں آتش خیز

پہاڑ اور آتشی بھٹیاں موجود ہیں۔ جیسے پہلے پہل مسٹر ہوک نے دریافت کیا۔ ۱۸۳۶ء کے حلقۂ دار گہن کے موقع پر ہوک نے دیکھا تھا اور اس وقت جو آگ نکل رہی ہے وہ ہرشل ہوائی دوربین سے اتنی بڑی دکھائی دیتی تھی اور اگر بغیر دوربین کے بھی دیکھی جاتی تو ممکن تھا کہ ناظر اسے دیکھ سکتا تھا۔

تازہ مشاہدات اور معجزۂ شق القمر

دور جدید میں چاند پر چند پر اسرار چیزیں معلوم ہوئی ہیں جن کو کئی مقامات پر درزیں (Rills) پائی جاتی ہیں۔ ان درزوں سے زیادہ وہ عجیب و غریب چمکتی لکیریں ہیں جو چاند کے کوہ و صحرا کو مسلسل طے کرتے ہوئے میلوں تک چلی گئی ہیں۔ ساتویں شب کے بعد جیسے جیسے چاند بڑھتا جاتا ہے۔ نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں حتیٰ کہ چودھویں کو ان کا بہت واضح مشاہدہ ہوتا ہے۔ چاند کے جنوبی سرے پر ایک دہانہ ہے جس کا نام (TYCHO) ٹائیکو رکھا گیا ہے۔ یہاں سے یہ لکیر شروع ہو کر چاند کے کرہ پر بالکل اسی طرح پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ دنیا کے گلوب پر طولِ بلد کی لکیریں کھنچی ہوئی ہیں۔

چاند پر ان لکیروں اور درزوں کے مشاہدوں سے ہمارا ذہن معجزۂ شق القمر کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ یہ لکیریں بہت ممکن ہے کہ معجزۂ شق القمر کے آثار ہوں اور قادر مطلق کی قدرت سے یہ قطعی ممکن ہے کہ چاند کے شق ہونے کے بعد پھر جب اس کو انصال عنایت فرمایا گیا تو ایسا جڑا ہو کہ اس کا کوئی نشان نہ ہو یا آثار و علامات بھی باقی رکھے گئے ہوں اور یہ پر اسرار شگاف اور لکیریں معجزۂ شق القمر کی نشاندہی کرتی ہوں۔

دونوں امر ممکن ہوں۔

سرکار رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے معجزات میں سے معجزۂ شق القمر وہ عظیم الشان معجزہ ہے جس کا ذکر واضح طور پر کیا گیا ہے جب معجزہ شق القمر نمودار ہوا تو جبریل امینؑ یہ آیتیں لے کر نازل ہوئے

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (سورہ قمر آیت ۱ و ۲)

قیامت نزدیک آگئی اور چاند شق ہوگیا اور اگر کافر کوئی سا (بھی) نشان دیکھیں (تو) اس سے منہ پھیرتے ہیں اور کہیں (کہ یہ تو) جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے۔

دیگر سیارات

نظام کوپرنیکی جو آج کل رائج ہے اس میں بھی تعداد سیارات کے بارے میں اختلاف رہا ہے۔ ابتدا میں تو یہ لوگ چھ سیارے کے قائل تھے ایک زمین اور پانچ متحیرہ اور آفتاب و ماہتاب کو یہ لوگ سیاروں میں شمار نہ کرتے تھے مگر جب مسٹر ٹی یو بیں نے ابعاد سیارات کے دریافت کرنے کا قاعدہ شائع کیا تو اس وقت چند حکماء کو ایک اور سیارہ مریخ اور مشتری کے درمیان ہونے کا احتمال پیدا ہوا یہاں تک مسٹر پیازی نے ۱۲۱۵ھ میں ستارہ مسمی سرس دریافت کیا۔ پھر ہرشل نے سیارہ ارانوس کی تحقیق کی۔ پھر ایک اور سیارہ معلوم ہوا جس کا نام پلس رکھا گیا۔ پھر سیارہ جونو اور ستارہ وسیا معلوم ہوا اور اس طرح گیارہ ستاروں کے قائل ہو گئے۔ لیکن تحقیقات مسلسل جاری رہی جس کے نتیجہ میں ۱۲۶۷ھ میں تقریباً اٹھائیس سیارے دریافت

ہوئے پھر اہلِ ہیئت کی رائے پلٹی کہ وہ سیارے جو مریخ و مشتری کے درمیان معلوم ہوتے ہیں مستقل سیارے نہیں ہیں بلکہ یہ سب کسی بڑے سیارے کے اجزاء ہیں۔ پھر جب حکیم یورریر فرانسیسی نے سیارہ نیتوں کو اورانوس کے پیچھے اور سیارہ کلفان کو عطارد سے قبل ۱۲۶۳ھ میں دریافت کیا تو اس وقت سے سیارات نو قرار پائے مگر مشہور آٹھ ہیں کیونکہ ملکان کی رصد بہت دشوار ہے۔

یہ مختصر تحریر یورپ کی تحقیقات کا یہ خلاصہ ہے۔

اب شریعت اسلامیہ کو دیکھئے ایک قول پروردگار عالم کا سورہ یوسف میں انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی ساجدین یہ گیارہ ستارے وہ ہیں جنہیں خواب میں جناب یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا اور جن کی تاویل عالم بیداری میں ان کے گیارہ بھائیوں سے کی گئی کیونکہ دراصل جناب یوسفؑ نے خلاف واقعہ بیان نہیں کیا تھا۔ اگر سچ مچ بھائیوں کو خواب میں دیکھا ہوتا تو اس خواب کی تاویل کی کیا ضرورت تھی۔ بیشک انہوں نے ستارے ہی خواب میں دیکھے تھے۔

پھر اگر یہ ستارے جن کی نسبت یہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے یوسفؑ کو سجدہ کیا۔ ثوابت کی قسم میں سے تھے تو پھر ترجیح بلا مرجح کی کیا وجہ کیونکہ ثوابت تو ہزاروں ہیں اور سب کے سب جنس وصفت میں مساوی ہاں ان گیارہ سے مراد سیارات لئے جائیں تو البتہ خصوصیت کی وجہ اور عدد کی مناسبت پیدا ہو سکتی ہے لہذا یہ قرینۂ عقلیہ ان ستاروں سے سیارات ہی مراد لینا چاہیئے جن کو جناب یوسفؑ نے اپنے سامنے جھکتے ہوئے دیکھا تھا۔

دوسری دلیل اس مطلب پر وہ ہے جو تفسیر نیشاپوری اور

تفسیر کشاف زمخشری متوفی ۵۳۸ھ میں، میں نے دیکھی ہے۔ جابر روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان ستاروں کی نسبت دریافت کیا جنہیں خواب میں جناب یوسفؑ نے دیکھا تھا۔ تو آپ نے فرمایا ان کے نام جریان طارق، ذیال، قابس، عمودان، فلیق مصبح، ضروح، فرغ وثاب اور ذو الکتفین ہیں۔ یہ سنتے ہی یہودی مسلمان ہو گیا۔ اسی روایت کو ابن بابویہ صدوقؒ نے کتاب خصال میں جابرؓ سے دو سندوں سے روایت کی ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ سب ستارے آسمان سے گھرے ہوئے ہیں۔ اور یہ خلقت بھی مخصوص سیارات کی ہے۔ جیسا کہ نظام جدید کا مسلک کہ کرہ بخاریہ سے مراد سما رہے۔ ہر سیارہ کے واسطے ایک کرۂ بخاریہ ہے جو اسے محیط ہے۔ نیز اس کے موید یہ نام بھی ہیں اور ظاہر ہے۔ نام بیشتر بلحاظ شئے کی کسی قوی صفت سے رکھا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

(۱) جریان کے معنی چلنے والے کے ہیں اس سے مراد "ارض" (EARTH) ہے جس پر لفظ جاریہ کا اطلاق کیا گیا ہے۔

(۲) طارق (VENVS) سے مراد "زہرہ" ہے کیونکہ طارق صبح کے ستارے کو کہتے ہیں جیسا کہ قاموس میں ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے۔ والسماء والطارق ۵ وما ادراک ما الطارق ۵ النجم الثاقب ۵ سورہ طارق آیت ۱۔۲۔۳ اور ترجمہ ہے آسمان اور طارق کی اور طارق کیا ہے تو کیا جانے وہ تو چمکنے والا تارا ہے۔

(۳) ذیال سے مراد عطارد (MARCURY) ہے لغت میں اس لاغر آدمی کو کہتے ہیں جس میں تر و تازگی باقی نہ ہو۔ عطارد بھی ایسا ہی ہے یعنی خشک ہے کیونکہ آفتاب سے قریب ہے۔

(۴) قابس دہکتے ہوئے انگارے کو کہتے ہیں۔ اس سے مراد فلکان (زحل) (SATURN) یہ ایک بڑی آگ سے حرارت حاصل کر رہا ہے۔ کیونکہ آفتاب سے بہت قریب ہے۔ فلکان اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس سے آگ نکلتی ہو۔ اس کو جلاد فلک بھی کہتے ہیں۔

(۵) عمودان۔ سے مریخ (MARS) ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ اس کے گرد دو چاند پھرتے رہتے ہیں جن کی شعاعیں مثل عمود کے اس پر پڑتی ہیں۔

(۶) فلیق سے مراد وہ بڑا استارہ ہوگا جس کی بابت خیال ہے کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہت سے چھوٹے ستاروں میں تقسیم ہو گیا جن کو مشتری (JUPETOR) کے ستارے کہتے ہیں۔ کیونکہ فلیق کے معنی منفلق یعنی پھٹ جانے والے کے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حدیث مذکور سیارات نظام شمسی پر اچھی طرح منطبق ہو سکتی ہے۔ جس کی ابتداء زمین سے ہوتی ہے۔ پھر زہرہ ہے۔ پھر عطارد پھر فلکان پھر مریخ وعلیٰ ہٰذا القیاس۔ اس مقام پر اگر آپ کہیں کہ جدید نظام شمسی کے سیارے تو صرف ۹ ہیں اور یہ گیارہ ہو گئے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ابھی ہم اس تطبیق کے متعین ہونے کے قائل نہیں ہیں لیکن اتنا ضرور کہیں گے کہ (۹) سیارے تو نظام شمسی کے مرصود و معلوم ہیں اور دسواں وہ سیارہ تھا جو پھٹ کر بہت سے چھوٹے چھوٹے ستارے بن گیا۔

اگرچہ وہ اس وقت سیارات میں مندرج نہیں لیکن سیارات کے شمار میں تھا تو ضرور رہا گیارہواں سیارہ جسے حدیث نے بیان کیا ہے وہ جدید سیارہ ہے جو ابھی تک معلوم نہیں کیا جا سکا لیکن امید قوی ہے۔ کہ آئندہ یہ بھی معلوم ہوگا۔ لیکن مصری مجلہ "الضیاء" نے جو شیخ

ابراہیم باذیجی کی ادارت میں نکلتا ہے۔ ۱۸۹۹ء کے صفحہ ۱۳۱۴ میں بعنوان "السیار الجدید بین الارض والمریخ" کے تحت لکھا ہے کہ یہ جدید سیارہ آفتاب کی ایک سمت کو دکھائی دیا اور حساب لگایا گیا تو معلوم ہوا کہ اس سیارہ کا سال بہ نسبت مریخ کے سال کے (۱۴۴) دن کم ہے اور مدار بھی اس کا تین حصہ مدار مریخ سے الگ ہے چونکہ اس سیارہ کو بیسوڈیٹ نے دریافت کیا تھا۔ اور اس کا نام ایروس یعنی الٰہ الحب پس اس جدید سیارے کے شمول سے گیارہ ستارے پورے ہوجاتے ہیں جنہیں حدیث مذکور نے بیان کیا ہے۔

دلیل دیگر اس کے مطابق یہ وہ حدیث ہے جو مجلسی علیہ الرحمہ کی کتاب بحار جزائری کی انوار نعمانیہ، سید علی بن طاؤس کی کتاب النجوم میں چھٹے امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے فرمایا فی السماء اربعة نجوم ما یعلمها الا اهل البیت من العرب واهل بیت من الهند یعرفون منها نجماً واحداً فبذلك قام حسابهم، آسمان پر چار ستارے ایسے ہیں جن کو سوائے عرب کے ایک گھر والوں کے (یعنی رسول خدا کے گھر والے جن سے مراد حضرت کے بارہ اوصیا ہیں) کوئی نہیں جانتا البتہ ہندوستان میں بھی ایک گھر کے لوگ ان میں سے ایک ستارے کو جانتے ہیں جس سے ان کا حساب درست ہوتا ہے۔

اس روایت کی موید یہ روایت بھی ہے جو کتاب النجوم مذکور اور کتاب دلائل تیری میں سید صحیح جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ نجوم کا فن سوائے قریش کے گھر والوں کے اور ہندوستان کے ایک گھر والوں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ ظاہر ہے کہ قریش میں کوئی خاندان سوائے اہلبیت رسول کے بلحاظ علم و فلسفہ نہ تھا اس لئے اہلبیت سے مراد رسولِ خدا کے گھر والے ہیں۔

مخلوقات الٰہی کا صحیح علم تو خدا ہی کو ہے اور وہی اس کا انکشاف انسانوں کو پہنچا سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد حق تعالیٰ ہے وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ۔ سورہ مدثر آیت (۳۱) اور تیرے رب کے لشکر کوئی نہیں جانتا مگر کہ خود وہی (یعنی تنہا صرف وہی جانتا ہے)

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح زمین پر چلنے والے حیوانات ہیں اسی طرح سماوات پر بھی ہیں کیونکہ پروردگار عالم نے زمین و سماوات میں فرق نہیں کیا ہے۔ بلکہ مساوی طور پر دونوں میں موجودیت حیوانات کو ظاہر فرمادیا ہے "سماء" کے معنیٰ چونکہ بلندی کے ہیں اس لئے سمٰوات کے معنیٰ کرات عالیہ یعنی سیارات کے ہوں گے۔ اس کے موید وہ حدیثیں بھی ہیں جو خلقتِ حیوانات کو ان سیارات میں بتاتی ہیں۔

شیخ محمد حر عاملی نے صحیفہ ثانیہ سجادیہ میں جو کتنے وضی امام علی بن الحسین علیہ السلام سے جناب آدم علیہ السلام پر صلوات بھیجنے کے بیان میں نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا۔ فصل علیہ انت وملئکتک و سکان سمٰواتک وارضک - یعنی اے پروردگار آدمؑ پر تو بھی رحمت نازل کر اور تیرے ملائکہ اور ساکنین سماوات وارض بھی ان کے لئے طلب رحمت کریں۔ ملائکہ پر عطف کرنا سکان سمٰوات کا بتا رہا ہے کہ وہ ساکنین از قسم ملائکہ نہیں ہیں بلکہ اُن سے الگ کسی نوع خاص کے ہیں۔ جن میں صلاحیت استغفار و رحمت کی ہے تو لامحالہ وہ ذی حیات از قبیل انسان ہی ہوں گے

کتاب بحار الانوار اور تفسیر مفاتیح الغیب فخرالدین رازی متوفی ۶۰۶ھ میں روایت ہے کہ رسولؐ نے فرمایا کہ جب مجھ کو معراج کے واسطے آسمان پر لے گئے تو میں نے ساتویں آسمان پر ویسے ہی

میدان دیکھے جیسے تمہاری زمین پر ہیں۔ اس حدیث سے بھی ظاہر ہے کہ وہ کرے بھی مثل ہماری زمین کے میدان وغیرہ رکھتے ہیں تاکہ وہ زندہ حیوانات جو وہاں رہتے ہیں اس میں چل پھر سکیں۔

بحار الانوار اور تفسیر در منثور میں بعض الحمہ کو نہ سے جس سے یہاں پر امام جعفر صادق علیہ السلام مراد ہیں جنہوں نے اپنے جد امجد رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس سفید زمین کی شرح میں جو ہمارے مغرب کی پشت پر واقع ہے فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے اس کی نسبت ارشاد کیا ہے کہ اس زمین میں مخلوقات خدا میں سے ایک بڑی خلقت رہتی ہے جنہوں نے کبھی خدا کی مخالفت نہیں کی۔ کسی نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلعم کیا وہ آدم کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ آدم پیدا ہوئے یا نہیں۔ پھر سائل نے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلعم ابلیس کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ انہیں ابلیس کی بھی خبر نہیں کہ آیا پیدا ہوا ہے یا نہیں۔

تفسیر نیشاپوری میں "من الارض مثلهن" کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ ان زمینوں میں سے ہر ایک زمین میں خلقتِ خدا رہتی ہے۔

شہاب و دمدار ستارے

جدید فلاسفروں نے تحقیق کر کے بتایا ہے کہ شہاب اور دمدار ستارے از قسمِ نجومِ فلک ہیں اور وہی ان کا مادہ ہے۔ قرآن و حدیث سے بھی ان ستاروں کا وجود ثابت ہے۔

خدائے تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ وزینا السماء الدنیا بمصابیح وحفظاً ذالک تقدیر العزیز العلیم (سورہ فصلت الم آیت ۱۱) ہم نے زینت دی سماء دنیا کو چراغوں (ستاروں) سے اور حفاظت کی ہم نے ان کی اچھی طرح۔ خدائے غالب دانا کی تقدیر حفظاً کا فعل محذوف ہے یعنی حفظنا ہا حفظاً۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ستارے جو زینت کے لئے بنائے گئے ہیں انہی سے حفاظت کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

اسی طرح سورہ ملک ۶۷ کی پانچویں آیت "ولقد زینا السماء الدنیا بمصابیح وجعلنا رجوماً للشیاطین۔ اس آیت میں بھی جن ستاروں کو زینت بنایا ہے انہی کو رجوم شیاطین بھی بنایا ہے۔ سماء دنیا سے مراد بخاریہ ہے جس میں ان شہب و رجوم کی زینت معلوم ہوتی ہے۔ یہی رائے حکمائے حال کی بھی ہے کہ رجوم و شہب کی شعاع آنکھوں کو اس وقت تک نہیں معلوم ہوتی جب تک کہ کرہ بخاریہ سے ہو کر ان کا مرور نہ ہو۔

کتاب بحار الانوار کے باب البلدان میں بضمن سوالات عبداللہ بن سلام یہودی نے بیان کیا ہے کہ اس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ نجوم کی کتنی قسمیں ہیں تو آپ نے فرمایا۔ تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم کے وہ ستارے ہیں جو ارکان عرش میں ہیں جن کی ضو ساتویں آسمان تک جاتی ہے۔ دوسری قسم کے وہ ستارے ہیں جو سماء دنیا پر ہیں جیسے قندیلیں لٹکی ہوئی ہیں۔ یہ ستارے سکانِ سماء دنیا کی زینت کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور شیاطین کو بھی اپنے شرر سے مار کر ہٹاتے ہیں۔ تیسری قسم کے وہ ستارے ہیں جو فضا میں معلق ہیں۔ آسمانی دریاؤں و ما فیہا و ما علیہ کو روشنی پہنچاتے ہیں۔

اللہ اکبر حدیث کس قدر فلسفۂ قدیمہ کے مخالف اور فلسفہ جدیدہ کے موافق ہے۔

جناب امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا ارشاد ہے ایک طولانی حدیث میں جو بحار الانوار کی چودھویں جلد میں مروی ہے نیز تفسیر قرأت میں بھی ہے جس کا ایک جملہ یہ ہے۔ وجعل فی کل سماء شہباً معلقۃ ہر آسمان میں کچھ روشن یا معلق شہاب ہیں یعنے ہر زمین کے آسمان میں اجو اس کا محیط کرۂ بخاریہ ہے اشہب ہیں۔

جس سے صاف ثابت ہے کہ ان شہابوں کے واسطے بھی ایک ایک آسمان ہے۔ جس میں وہ مچھلیوں کی طرح تیرتے ہیں، جیساکہ متاخرین حکمائے یورپ کی بھی رائے ہے۔

تعدد عوالم ونظامات

حکمائے جدید کی تحقیقات ہے کہ تمام ثوابت وستارے مستقل اور بڑے بڑے آفتاب ہیں جن کے گرد اور بہت سے سیارے گردش کرتے ہیں۔ جو ہمارے نظام شمسی کے بہ نسبت بہت زیادہ ہیں اور ان سب میں حیوانات ونباتات وغیرہ پائے جاتے ہیں۔ حکماء کا یہ قول بھی شریعت اسلامیہ کا موئد ہے۔ جیساکہ آیات واحادیث سے واضح ہے۔

سورۂ الحمد میں ہے۔ الحمد للہ رب العالمین سب تعریف خدا ہی کے لئے سزاوار ہے جو جملہ عالمین کا پالنے والا ہے اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ عالم بہت سے خلق کئے گئے ہیں۔

کتاب خصائل، کتاب بحار، کتاب منتخب الصبا ئر اور انوار نعمانیہ

اور شرح صحیفہ کاملہ اور تفسیر نور الثقلین وغیرہ میں جو سب کی سب قدمائے علمائے امامیہ کی تصنیف ہیں۔ بڑی قوی سندوں سے جنہیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی گئی ہے۔ ان اللہ عزوجل خلق اثنی عشر الف عالم کل عالم منہم اکبر من سبع سموات و سبع ارضین ما یری عالم منہم ان اللہ عزوجل عالماً غیرھم ۔الخ خدائے تعالیٰ نے بارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ ہر ایک ان میں سے ساتوں آسمان اور ساتوں زمینوں سے بڑا ہے جنھیں ہر عالم والے اس بات کی خبر نہیں رکھتے کہ خدا نے ان کے سوا کسی کو پیدا کیا ہے یا نہیں۔ اس حدیث کا ظاہر حکمائے حال کی رائے سے بالکل مطابق ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ عالم ایجاد ہزاروں عالموں سے مرکب ہے۔ اور ہر عالم کے آسمان و زمین ہمارے عالم کے آسمان و زمین سے بہت زیادہ بڑے ہیں۔

بحار الانوار جلد چودہ کے باب العوالم میں ایک طولانی حدیث میں ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ نے آسمان کے اس طرف کی چیزوں کے متعلق فرمایا من وراء ذلک ظل العرش سبعون الف امتہ ۔الخ اس عالم کے علاوہ اس طرف عرش کا ظل ہے اور ظل عرش میں خدائے تعالیٰ نے ستر ہزار امت کو پیدا کیا ہے اس کے بعد فرمایا۔ ویخلق مالا تعلمون۔ یہ حدیث بھی تعدد عوالم اور وجود خلائق حی و ناطق کو بیان کرتی ہے۔ ظل عرش سے مراد تحت احاطہ عرش ہے اور عرش ہماری شریعت میں تمام عالم کون کو کہتے ہیں۔ جس طرح کرسی نظام شمسی کو کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ جل قدرتہ نے ہمارے

۔ور مواشی اور اسباب زندگی کو اکثر زمین کرۂ بخاریہ میں قرار دیا ہے
۔ذا اس زمین کو محیط ہے۔ اور اس کا نام "سمار" رکھا ہے جو ہماری
زمین کا نظام کا منتہیٰ ہے۔ پھر تمام ان سیارات اور زمین کو جو آفتاب
کے گرد بحیثیت مجموعی مع چاند اور نجوم و شہب کے جو سماء میں گردش
کرتے ہیں اور جو فضا ان سب کو محیط ہے اور جو کرہ ہوا ان سب
کے اوپر تمام مجموعے کو گھیرے ہوئے ہے جیسے حکمائے حال "ایتھر"
کہتے ہیں اسے "کرسی" سے تعبیر کیا ہے۔ اسی محیط اعلیٰ کو جو پورے نظام
شمسی کو محیط ہے "سرادق" سے بھی تعبیر کیا ہے جیسا کہ قرآن بیان فرماتا
ہے - وسع کرسیه السموات والارض یعنی محور نظام شمسی تمام
سماوات وارض کو محیط ہے۔

اَرض (ترمیلین)

زمین کی شکل کیسی ہے

حکمائے جدید نے تحقیق کیا کہ زمین گردی ہے لیکن حکمائے
جدید کی تحقیق سے بہت قبل ائمہ طاہرین کی احادیث سے زمین کا گردی
ہونا ظاہر ہو چکا تھا۔

کافی - بحار - انوار النعمانیہ، مجمع البحرین۔ شیخ طریحی۔ فخر الدین
۔۰۸۔ اھ وغیرہ میں امام پنجم جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی
ہے کہ آپ نے ابتداء خلقت کو اولاً بیان فرمایا۔ فخلق من ذالك
تضربد ارضاً بیضاً نقیة ثم طراها فوضعها فوق الارض -
پھر اس کف سے ایک شفاف و صاف زمین پیدا کی پھر اسے گول
کیا اور زمین کے اوپر رکھ دیا۔

بحار، بصائر الدرجات اور کتاب اختصاص۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ میں جناب صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ان منا اهل البيت من الدنيا عنده بمثل هذا و عقد بيده عشرة۔ ہم اہلبیتؑ میں بعض ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک دنیا اس طرح ○ ہے اور آپ نے اپنے ہاتھ سے عقد عشرہ فرمایا۔ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ "عقد عشر" کے معنیٰ یہ ہوتے ہیں کہ کوئی شخص انگشت شہادت کے سرے کو ہاتھ کے انگوٹھے کی گرہ پر رکھے جس سے دونوں انگلیاں مل کر حلقہ کی صورت ہو جائے معصوم نے اس کلام سے دنیا کی شکل کی تمثیل دی ہے۔ یعنی دنیا ایسی ہے جیسے ایک گرہ غیر تامہ دنیا کی شکل مثل اس حلقہ کے ہے یعنی جس طرح یہ دونوں طرف سے ناقص ہے۔ اسی طرح صورت زمین بھی دونوں کناروں کی طرف کروی نہیں ہے بلکہ مسطح ہے۔

اب رہا خدائے تعالیٰ بجایہ ارشاد کہ:۔ والارض ذات الصدع تو اس سے صرف سطح محدب، سطح مقعر اور سطح مستوی مراد ہے۔ نہ یہ کہ زمین کا پھیلا ہوا ہونا مثل سطح یعنی فرش کے مراد ہے جو اس کی کرویت کے مخالف ہے۔ اور خدائے تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جعل لكم الارض فراشا۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ زمین کو مثل فرش و قالین کے بنایا ہے بلکہ مطلب یہ ہے۔

زمین ایسی بنائی گئی ہے جس پر جیوانات، ذی روح سکونت کر سکتے ہیں اور یہ گویا ان کے سونے بیٹھنے کا بچھونا ہے یا یہ کہ یہ آسانی لوگ اس پر چل پھر سکتے ہیں۔ جیسا کہ اس جملہ سے ظاہر ہے لتسلكوا منها سبلا فجاجا۔ تاکہ تم اس زمین پر وسعت کے ساتھ چل سکو جس طرح کسی مسطح چیز پر چل سکتے ہو۔ نہ یہ کہ فی الواقع وہ مسطح ہے۔

زمین کس چیز پر قائم ہے

شریعت اسلامی میں جہاں جہاں اس کا ذکر آیا ہے خواہ دعائیں یا حدیثیں یا خطبے سب میں یہی مذکور ہے کہ بنفسہٖ فضا میں قائم ہے۔ نہ کسی چیز کے سہارے کھڑی ہے نہ کوئی شے اسے اٹھائے ہوئے ہے جیسا کہ محققین حکماء کی رائے ہے۔ نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں خلقت زمین کے بیان کے موقع پر حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں۔

وارساھا علیٰ غیر قرار و اقامتھا بغیر قوائم و رفعھا بغیر دعائم۔ خدائے تعالیٰ نے زمین کو ٹھہرایا ہے۔ مگر کسی مقررہ قرارگاہ پر نہیں اور اسے بغیر ستونوں کے قائم کیا ہے اور بغیر دعاؤں کے بلند کیا ہے۔

دوسرے خطبہ میں جو بحار وغیرہ میں مروی ہے فرماتے ہیں خلق السماوات والارض بغیر عمد قائمات بلا سند۔ خدائے تعالیٰ نے سماوات وارض کو بغیر عمودوں کے پیدا فرمایا۔

جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ ایک دعا میں فرماتے ہیں جسے سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے مہج الدعوات میں اور علامہ مجلسی نے بحار میں روایت کیا ہے۔ نور السموات والارضین و فاطرھما و مبدعھما بغیر عمد خلقھما فاستقرت الارضون باوتادھا فوق الماء۔ خدائے تعالیٰ سماوات وارضین کا روشن کرنے والا اور از سر نو ایجاد کرنے والا ہے۔

بغیر ستون کے ان کو خلق فرمایا تو زمین مع اپنے اوتاد کے پانی

پر ٹھہر گئیں۔ دعائے وداع شہر رمضان میں ہے دلبسط الارض علی الماء۔ بلا ارکان یعنی زمین کو پانی پر بغیر ارکان وستونوں کے بچھایا۔ یہ دعا بحار وغیرہ کتابوں میں ہیں نے دیکھی ہے۔

کرۂ زمین کی حرکت

جدید تحقیقات سے واضح ہو چکا ہے کہ زمین مع ان تمام چیزوں کے جو اس پر ہیں حرکت کرتی ہے اور آفتاب وغیرہ کواکب زمین کے گرد بحرکت یومیہ گردش نہیں کرتے بلکہ زمین ہی خود ہر چوبیس گھنٹہ میں ان کواکب کے گرد حرکت کرتی ہے اسی گردش کی وجہ سے طلوع وغروب ہوتا ہے اور موسم تبدیل ہوتے ہیں۔

یہ نظریہ کہ زمین ساکن ہے اور اجرام سماویہ آفتاب ومہتاب وسیارات اس کے گرد روزانہ وسالانہ حرکت کرتے ہیں۔ بطلیموس کا تھا۔ فیثا غورث اس نظریہ کا مخالف ہے۔ وہ زمین کی حرکت کا قائل ہے۔ زمین کی دو حرکتیں تحقیق کی گئیں ایک زمین کی محوری گردش جس سے دن ورات تبدیل ہوتے ہیں۔

دوسری آفتاب کے گرد سالانہ گردش جس سے موسم تبدیل ہوتے ہیں۔

ہمارے (مذہب شیعہ) کے دو عالم ایک علامہ طوسی خواجہ نصیر الدین علیہ الرحمہ اور فاضل ملا بہاء الدین علیہ الرحمہ فرماتے تھے کہ اگر زمین کو متحرک تسلیم کیا جائے تو مضائقہ نہیں اظہار صاف نہ کہنے کا سبب یہ تھا کہ عوام سے ڈرتے تھے ورنہ دلیل سے وہ سمجھ گئے تھے کہ زمین متحرک ہے۔

قرآن مجید میں چند آیتیں حرکتِ زمین کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ (۱) سورۂ نازعات میں ہے۔ والارض بعد ذالک دحاھا اخرج منہا ماءھا ومرعاھا والجبال ارساھا۔

خدائے تعالیٰ نے بعد اس کے زمین کو متحرک کیا اس سے پانی اور سبزہ وغیرہ نکالا اور پہاڑوں کو میخ کی طرح اس میں گاڑا۔ اس آیت اور نیز اس کے بعد دوسری دونوں آیتوں سے جناب علامہ محمد حسین شہرستانی کو بلائی متوفی ۱۳۱۵ھ نے حرکتِ زمین کا مسئلہ مستنبط فرمایا تھا۔ اور اس پر ایک رسالہ لکھا تھا جو ۱۳۱۱ء میں شائع ہوا۔

وہ لکھتے ہیں کہ "دحوالارض" ایک ایسا لفظ ہے جو شریعت اسلامی میں متواتر و مشہور ہے۔ اہل اسلام کے ذہنوں میں چونکہ نظام بطلیموس جگہ کئے ہوئے تھا لہٰذا ان لوگوں کو حرکت زمین کا خیال کبھی پیدا نہ ہوا اور اپنی تفسیروں میں حرکت کے معنی کو ترک کر کے بسط یعنی بچھانے کے معنی لکھ دیئے حالانکہ کتب لغت اور مقامات استعمال عرب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ "دحو" کے معنی بچھانے کے نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد دفع اور تحریک ہے۔ مثلاً قاموس میں ہے دَحَیْتَ الابل ای اسفنتہا "رحیت الابل" کے معنی یہ ہیں کہ میں نے اونٹ کو ہنکایا پس معلوم ہوا کہ "دحوالارض" کے معنی تحریک زمین کے ہیں، نہ بسط کے۔

نیز یہ لفظ عرب کے اس محاورہ سے مشتق ہے۔ "دحا المطر الحصا" یعنی بارش کے پانی نے کنکریوں کو زمین سے ہٹایا۔

علاوہ ازیں حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام

کے اوصاف میں یہ لفظ مشہور ہے کہ آپ "داحی باب خیبر" ہیں، یعنی دروازۂ خیبر کو اکھاڑ کر پھینکنے والے۔

جب کسی چیز کو پھینکا جاتا ہے تو اس میں دو حرکتیں پیدا ہوتی ہیں، ایک حرکت انتقالیہ اور دوسری حرکت وضعیہ یہی حالت حرکت زمین کی بھی ہے۔

دوسری آیت سورۂ طٰہٰ و زخرف میں ہے الذی جعل لکم الارض مھدا! جس خدا نے تمہارے لئے زمین کو گہوارہ بنایا۔ مہد عرف و لغت میں اس بچوں کے جھولے کو کہتے ہیں جس میں لٹا کر آہستہ آہستہ حرکت دیتے ہیں۔ اور وہ با آرام سوتا ہے۔ اس لحاظ سے زمین کی تشبیہ مہد سے بہت مناسب ہے کہ زمین بھی گویا بندگان خدا کے واسطے ایک گہوارہ ہے جس میں ان کا نشو و نما بھی ہوتا ہے۔ اور سوتے بھی ہیں۔ نیز جس طرح مہد باوجود سرعت حرکت کے نرم حرکت رکھتا ہے۔ اس طرح زمین بھی اس قدر وسیع ہیں یہ آہستگی حرکت کرتی ہے۔ جھکولے کھاتی ہے اور نہ مضطرب الحرکت ہوتی ہے کہ جس سے اس کے رہنے والوں کے آرام میں خلل پڑے نیز جس طرح مہد اس لئے بنایا جاتا ہے کہ اس میں بچوں کی پرورش ہو اس طرح زمین انسانوں اور ان سے متعلق اشیاء کی پرورش کے لئے بنائی گئی اور زمین کی یومیہ و سالانہ گردش "قائم کی گئی۔ تاکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کا نشو و نما اس پر ہو اور اچھی تربیت پائیں۔ شارع اسلام (خدائے تعالیٰ) نے حرکت زمین کے مسئلہ پر اگرچہ تشبیہ کے ذریعہ لوگوں کو چودہ سو برس پہلے ہی متنبہ فرما دیا تھا۔ لیکن لوگ اس کو نہ سمجھ سکے۔

تیسری آیت سورۂ ملک میں ہے ھوالذی جعل لکم الارض

ذلولا فامشوا فی مناکبھا۔ خدائے تعالیٰ نے زمین کو تمہارے واسطے ایک مطیع و فرماں بردار ناقہ کی صورت میں بنایا ہے۔ پس تم اس کے شانوں پر سوار ہو کر چلو۔

ذلول لغتِ عرب میں خاص قسم کے اس اونٹ کو کہتے ہیں جو آہستہ روی اور سرعتِ رفتار و با آسانی سواری دینے میں ممتاز ہو۔ چونکہ یہ تینوں صفتیں زمین میں کامل طور پر پائی جاتی تھیں۔ اس وجہ سے ممکن ہے کہ پروردگار عالم نے زمین کو ذلول سے تعبیر فرمایا یعنی جس طرح کہ شتر ذلول سریع السیر ہے وہی حالت زمین کی بھی ہے۔

چوتھی آیت سورۂ نمل میں وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب صنع اللہ الذی اتقن کل شئ۔ تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو کہ وہ ایک مقام پر جمے ہوئے ہیں (قائم ہیں) حالانکہ مثل ابر کے چل رہے ہیں۔ یہ خدائے تعالیٰ کی صنعت ہے جس نے ہر چیز کو محکم طور پر بنایا ہے۔ اس آیت سے استدلال، حرکت زمین پر فتح علی شاہ، شاہِ ایران نے آج سے (۱۰۰) برس پہلے کیا تھا۔ چونکہ اس آیت سے پہلے کی آیتوں میں (جو اسی سورہ میں مذکور ہیں) قیامت اور ہول قیامت کا ذکر ہے اس وجہ سے قدماء ومفسرین اس آیت کو بھی اہوال قیامت ہی کے بیان میں سمجھتے تھے۔ لیکن چونکہ بدلائل عقلیہ معلوم ہو گیا ہے کہ زمین حرکت کرتی ہے۔ تو ہمیں حق حاصل ہے کہ اس آیت کو مطلب مذکور کی دلیل سمجھیں اور کہیں کہ اگرچہ اس آیت سے ماقبل خدائے تعالیٰ نے ہول قیامت کا حال بیان کیا ہے۔ لیکن وہ مطلب اس سے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے اور اس آیت سے زمین کی حرکت کو ظاہر فرمایا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں تک ظاہر الفاظ آیات قرآن مجید کو دیکھا جاتا ہے۔ اس سے موافقت جدید علم ہیئت ہی کی سمجھ میں آتی ہے خصوصاً مسئلہ حرکتِ زمین میں اور کوئی آیت ایسی نہیں ملتی جو زمین کے کسی حیز مخصوص میں ساکن رہنے کو ثابت کرتی ہو۔ رہا پروردگار کا یہ ارشاد کہ جعل الارض قرارا وغیرہ تو اس سے مراد یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ نے زمین کو اپنی مخلوقات کے لئے جائے سکون و قرار بنایا ہے نہ یہ کہ زمین بھی فی نفسہ ساکن ہے۔

آیاتِ قرآن مجید کے علاوہ احادیث سے بھی زمین کی حرکت ظاہر ہوتی ہے۔

درمنثور میں جناب رسالت مآبؐ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ فدحی اللہ الارض من موضع البیت فمادت ثم مادت فاوتدھا اللہ بالجبال۔ زمین اختلاف الوقت۔ ساتوں فلک کا گردش کرنا مع ان چیزوں کے جو اس میں ہیں اور زمین کا مع ان چیزوں کے جو اس پر ہیں حرکت کرنا نیز زمانہ وقت کا انقلاب و اختلاف یہ چیزیں اپنے حدوث پر دلالت کرتی ہیں اس حدیث میں حضرت نے واضح طور پر زمین کی حرکت اور حصوں کی تبدیلیوں اور وقت کے اختلاف کو واضح طور پر بیان فرمایا ہے جو حکمائے متاخرین کی رائے ہے۔

امیر المؤمنین علیہ السلام کا ارشاد جو نہج البلاغہ وغیرہ میں مروی ہے۔ حضرت پہلے زمین کی حالت بیان فرماتے ہیں اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:۔

وعدل حرکاتھا بالراسیات من جلامید ھا۔ یعنی خدائے تعالیٰ نے اس زمین کی حرکتوں کو پہاڑوں کے ذریعہ سے

معتدل و مستور کر دیا اس کلام میں امام نے حرکا تذکرہ فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی حرکتیں کئی قسم کی ہیں۔ ان تمام حرکتوں کو پہاڑوں کے نصب ہونے سے معتدل کر دیا ہے جو جدید تحقیقات کی رو سے بھی یہی ثابت ہوا ہے کہ مختلف قسم کے جذب و دفع کی وجہ سے زمین کی کئی حرکتیں پیدا ہوتی ہیں۔

الحاصل ہماری شریعت مقدسہ کے افعال تحرک زمین کے مسئلہ کو بہت واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔

زمین کو تھامنے کے بارے میں خدا کا ارشاد

رسالہ سوویت دیس ۱۵ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں دوسرے روسی خلائی مسافر ٹی ٹوف کا جو بیان آیا ہے اس میں انہوں نے کہا ہے کہ۔

روشنی سے تاریکی میں اور تاریکی سے روشنی میں جانے کا مرحلہ بڑا ہی مسحور کن ہوتا ہے اور کبھی کبھی ایسا لگتا ہے کہ دنیا ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے اور بے اختیار خیال آتا ہے کہ یہ آخر کس چیز کے سہارے معلق ہے؟۔

ٹی ٹوف کے سوال کے جواب میں قرآن مجید کی آیت ملاحظہ فرمائیں ارشادِ حق تعالیٰ ہے۔

ان اللّٰہ یمسک السموات والارض ان تزولا ولئن زالتا ان امسکھما من احد من بعدہ ۵ سورہ فاطر آیت (۴۱ ترجمہ) تحقیق اللہ تھام رہا ہے آسمانوں کو اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں اگر ٹل جائیں تو کوئی تھام نہ سکے ان کو سوائے اس کے۔

زمین جرم سماوی ہے

جدید نظریہ ہے کہ زمین سورج کا ایک حصہ ہے جو اس سے ٹوٹ کر نکلا ہے۔ اس نظریہ پر قرآن بہت پہلے روشنی ڈال چکا ہے اور اس راز کو فاش کر چکا تھا کہ زمین آسمان کا حصہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اولم یر الذین کفروا ان السمٰوٰت والارض کانتا رتقاً ففتقنٰہما۔

سورۂ انبیاء آیت ۳۰۔ کیا نہیں دیکھا ان کافروں نے کہ آسمان وزمین ملے ہوئے تھے پس ہم نے ان دونوں کو جدا کیا۔

اس آیۂ کریمہ سے بے شبہ وگمان اور بلا حجت یہ قطعیت سے ثابت ہے کہ زمین جرم سماوی کا ایک حصہ تھی۔

اس کتاب الٰہی نے دوسری جگہ بھی زمین کے جرم سماوی ہونے کی تصدیق مزید فرمائی سورۂ نازعات پارہ (۳۰) میں ہے۔ والارض بعد ذالک دحٰھا اور زمین کو بعد میں اس کے مستقر سے ہٹایا۔ اس آیت سے بھی ادھر ارشاد پایا جاتا ہے جو تحقیق جدید ہے کہ زمین ایک بڑے جرم سماوی (یعنی آفتاب) کا حصہ ہے جو اس سے الگ ہو گیا ہے۔

زمین کا سایہ

عام طور پر خاف سے مراد مخروط ظل زمین مراد لیا گیا ہے جو اپنی

بزرگی کے سبب سے ایک بڑے پہاڑ کے مشابہ ہے۔ یہ ظل زمین کو محیط ہے۔ اسی وجہ سے رسولؐ و ائمہ طاہرین کے احادیث میں بیشتر وارد ہے کہ کوہ قاف زمین کو محیط ہے نیز اس ظل کی سطح ظاہر کا رنگ بہ سبب روشنی و تاریکی مخلوط ہونے کے سبز ہے۔ معصومین کے کلمات میں بھی عام طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوہ قاف مثل زمرد کے سبز ہے۔

زمین کے سایہ کا وجود کلامِ الٰہی سے بھی واضح ہوتا ہے۔ واللہ جعل لکم مما خلق ظلاً (سورہ نحل آیت ۸۱) اور اللہ نے بنادیئے تمہارے واسطے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے۔

سب سے پہلے میجر گگارین۔ دوران پرواز ارض و سما میں جن مناظر کا نظارہ کیا ان کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے۔ افق پر زمین کی گولائی صاف نظر آرہی تھی۔ پہلی مرتبہ زمین کی گول شکل اپنی آنکھوں سے دیکھ سکا۔ افق پر منظر بے مثال اور انتہائی دلکش تھا۔ زمین و آسمان کے درمیان رنگ کے فرق کو ظاہر کرنے والا خط بے حد باریک ہے افق پر نارنجی رنگ ختم ہو رہا تھا اور نیلے رنگ میں شامل ہو رہا تھا۔ یہ بڑا سہانا منظر تھا۔ خلا میں آسمان سیاہ اور چپٹا نظر آتا ہے۔ تارے جگمگ کر رہے تھے۔ سورج منور تھا۔ "زمین کے سایہ" میں داخلہ کے ساتھ ہی چاروں طرف اندھیرا تھا۔ زمین کی روشن سطح اور بالکل سیاہ آسمان کے درمیان جس میں ستارے دکھتے نظر آتے ہیں۔ ایک غیر معمولی خوبصورت عبوری حصہ نظر آتا ہے جیسے کہ زمین کے گرد کوئی باریک سی جھلی چڑھی ہو۔ اس کا رنگ ہلکا نیلا ہوتا ہے۔ جب میں زمین کے سایہ سے نکل رہا تھا تو افق بالکل ہی دوسری طرح نظر آرہا تھا۔ (۳۱) ابر

ایک روشن نارنجی ٹیکا سا تھا۔ سورج کی وجہ سے راستہ کا تعین اور پرواز کا رُخ طے کرنے میں مدد ملی میں نے دوستوک (خلائی جہاز) کے اس کے دریچے کی جھلمل سے دل ہلا دینے والے سرخ شعلوں کی آغوش میں تیرتے ہوئے دیکھا اور سورج درجنوں گُنا زیادہ روشن نظر آتا ہے۔ بند آنکھوں سے بھی اس کی آب و تاب کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا۔ واپسی کا مرحلہ بلندی پر جانے اور مدار پر پرواز کرنے سے زیادہ اہم تھا۔ جلد ہی جہاز فضا کی دبیز پرتوں میں داخل ہو گیا۔ اس کی بیرونی جلد تیزی سے تپنے لگی ہے۔ میں جانتا تھا یہاں کائنات کی وسعتوں میں چاند کب دکھائی دیتا ہے لیکن بدقسمتی سے وہ میری نظروں سے اوجھل تھا (تاریخی پرواز ۱۲ اپریل سنہ ۱۹۶۱ء مطابق ۲۵ شوال ۱۳۸۰ھ یوم چہارشنبہ)

میجر گگارین کے بیان سے زمین کے سایہ کا وجود متعین ہو چکا ہے۔ اب دنیا کو زمین کے سایہ کے وجود سے انکار کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ نیز زمین کا گول ہونا بھی نظروں سے مشاہدہ کیا جا چکا جیسا کہ آیاتِ قرآنی سے واضح ہے۔ آسمانی پروازیں جاری ہیں انکشافات ہوں گے جو آیاتِ قرآنی کی توضیح پیش کریں گے

تعددِ زمین

متاخرین حکمائے یورپ جن کا ظہور ایک ہزار ہجری کے بعد ہوا اس کے قائل ہیں کہ زمین صرف یہی ایک نہیں جس پر ہماری سکونت ہے، بلکہ خدائے تعالیٰ نے اور بہت سی زمینیں پیدا کی ہیں۔ جو اس فضا میں مثل ہماری اس زمین کے متحرک ہیں۔

شاعر کامل ابو محمد معروف بہ نظامی متوفی ۵۷۰ھ نے قدماء فرس

سے ایسے اقوال نظم کئے ہیں جو جدید تحقیق سے بہت مطابق ہیں۔ چنانچہ فارسی میں کہتے ہیں ؎

شنیدستم کہ ہر کوکب جہانے است
جدا گانہ زمین و آسمانے است

یہی مطلب ہماری شریعت بھی بیان فرماتی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے نہ صرف مسئلہ تعدد زمین کو تصریح سے بیان کیا ہے بلکہ ان زمینوں میں جو کچھ ہے اسے بھی مختصراً بتا دیا ہے۔

حالانکہ اس وقت یہ دوربینیں تھیں نہ خوردبینیں نہ رصد خانے تھے اور نہ جدید آلات بلکہ محض اپنے علم ربانی و الہامات الٰہیہ کے ذریعے سے جن باتوں کو جانتے تھے۔ صاحبان شریعت (رسولؐ و ائمہ طاہرین) نے امر واقعی کو بیان فرمایا لیکن دلائل سے احتراز فرمایا کیونکہ اس کی ضرورت انہیں نہ تھی، اسی بنا پر اسلامی فلاسفروں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ اقوال و احادیث کی تاویل ضروری ہے چنانچہ ارشادات حقہ کو ہیر پھیر کر کے اپنے خیالات و نظریات کی طرف تبدیل کر دیا۔ اور ان کا مطلب کچھ اور ہی کر دیا

قرآن مجید کے سورۂ طلاق میں ہے۔ اللہ الذی خلق سبع سموات ومن الارض مثلھن۔ اللہ وہ ہے جس نے سات سماوات پیدا کئے اور زمینیں بھی اتنی ہی خلق فرمائیں۔ اس مقام پر عموماً مفسرین اسلام یہی لکھتے ہیں کہ زمینیں بھی مثل سماوات کے سات ہیں تفسیر ابی السعود بن محمد میں ہے۔ جو نویں صدی کے فضلاء میں سے تھے کہ تمام علماء کی یہی رائے ہے کہ زمینیں سات ہیں۔ ایک دوسرے کے اوپر واقع ہے۔ ہر زمین کا فاصلہ دوسری زمین سے ویسا ہی ہے جیسا کہ زمین کو آسمان سے ہے۔ یہ تفسیر کسقدر منطبق ہے سیارات سبعہ کی

زمینوں پر جو آلات سے محسوس ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں واضح احادیث کتب میں موجود ہیں کہ جن کی رو سے سات زمینوں کا وجود واضح ہے۔ نیز زمینوں کے مابین طویل فاصلہ بھی ثابت ہے چند احادیث ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

عموماً کتب ادعیہ و احادیث میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم اور آنحضرت صلعم کے اوصیاء علیہم السلام سے مروی ہے۔ اللّٰھُمَّ رَبَّ السَّمٰوٰتِ السبع و رب الارضین السبع وما فیھن وما بینھن و رب العرش العظیم۔ یعنی اے اللہ اے ساتوں آسمانوں کے پروردگار اور ساتوں زمینوں کی تربیت کرنے والے اور نیز اُن چیزوں کی جو ان سماوات و ارضین کے اندر اور ان کے درمیان ہیں اور اے عرش عظیم کے پروردگار۔ اس کلام سے بھی سات زمینوں کا وجود صریح لفظوں میں سمجھا جاتا ہے نیز بَیْنَھُنَّ بتا رہا ہے کہ یہ زمینیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ باہم متصل نہیں ہیں۔ اہم ا فلاسفران اور حکماء کا یہ تسلیم کرنا کہ سات زمینوں سے مراد سات اقلیمیں ہیں۔ درست نہیں ہو سکتا اس لئے کہ زمین کی تقسیم سات اقلیموں پر اعتباری ہے یہ حقیقی تقسیم نہیں ہے۔ نیز یہ کہ اقالیم سبعہ شمالی حصہ ہی میں منحصر نہیں ہیں بلکہ نصف جنوبی میں بھی ایسے حصے فرض کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے کہ زمین کا جنوبی حصہ بھی آباد شمالی حصہ کی طرح آباد ہے۔

جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خطبہ میں جو نہج البلاغہ میں ہے یہ قول مذکور ہے۔ الحمد للہ الذی لا یواری عنہ سماءً و لا ارض ارضاً۔ حمد اس خدا کے واسطے جسے ایک سماء دوسرے سماء کے دیکھنے سے نہیں روکتا اور نہ ایک ارض دوسرے

ارض کے حالات معلوم کرتے سے واقع ہے۔ یہ کلام بھی جس طرح
تعداد سماوات کو بیان کرتا ہے تعداد ارضین کو بھی بیان فرماتا ہے۔

کتاب بحار و کتاب خرائج راوندی قطب الدین سعید بن (جو
ساتویں صدی میں علمائے شیعہ سے گذرے ہیں) مروی ہیں کہ جناب
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان معراج میں فرمایا۔ دکشط لی
عن السموات السبع والارضین السبع حتی رایت سکانہا و عمار
ھا و موضع کل ملک منہا: میرے واسطے ساتوں سماوات اور
ساتوں ارضین سے پردہ ہٹایا گیا یہاں تک کہ میں نے ان کے ساکنین
اور وہاں کے آباد ہونے والوں کو بچشم خود دیکھ لیا اور ہر ملک کا
محل بھی دیکھا۔

بحار، جامع الاخبار اور انوار النعمانیہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ حضرت سے سوال کیا گیا کہ کوہ قاف کیا ہے
اور اس کی پشت پر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا سبعون ارضا من
ذھب و سبعون ارضا من فضۃ و سبعون ارضا من المسک
و سبعون ارضا سکانہا الملئکۃ لا یکون فیہا حر ولا برد و
طول کل ارض مسیرۃ عشر الف سنۃ۔ کوہ قاف کے پیچھے
ستر زمینیں سونے کی ہیں اور ستر زمینیں چاندی کی، ستر مشک
کی ہیں اور ستر وہ زمینیں ہیں جن کے سکان فرشتے ہیں۔ اور نہ
ان میں گرمی ہے نہ سردی۔ نیز یہ کہ ہر زمین کا طول دس ہزار برس کی
راہ ہے۔ اس حدیث میں لفظ سبعین ایسا ہی جیسا کہ لفظ اربعین
یا الف وغیرہ کہ محض زیادتی کے ظاہر کرنے کے واسطے بولا جاتا ہے نہ
بالخصوص کسی تعیین کے لئے جس طرح ہم لوگ کہتے ہیں ہم نے
ہزاروں آدمی دیکھے یا سیکڑوں کتابیں پڑھیں یا بیسیوں برس سے

ایسا ہی ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ تو فی الواقع ان لفظوں سے اُن کے اصلی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ صرف زیادتی کا اظہار مقصود ہے یعنی بہت سے آدمی دیکھے۔ بہت سی کتابیں پڑھیں، بہت سے برسوں سے ایسا ہی ہوتا ہے اسی طرح عرب میں بولا جاتا ہے فلاں چیز ستر ہزار ہے یا چالیس ہے یا چالیس ہزار ہے وغیرہ مگر ان الفاظ سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہوتے بلکہ بہت سے معنی مقصود ہوتے ہیں، یعنی فلاں چیز بہت ہے۔

کوہِ قاف

کی نسبت بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جن کے سمجھنے میں بڑے بڑے فاضلین حیران ہیں لیکن میرا خیال یہ ہے کہ قاف سے مراد مخروط ظل زمین ہے جو ایک بڑے مخروطی پہاڑ سے مشابہت رکھتا ہے۔ اور یہ ظلّ زمین کو محیط ہے اسی وجہ سے ہمارے رسول و ائمہ طاہرین کے کلام میں بیشتر وارد ہے کہ کوہِ قاف زمین کو محیط ہے نیز اس ظلّ کی سطح ظاہری کا رنگ بسبب روشنی و تاریکی کے مخلوط ہو کے سبز ہوتا ہے اسی بنا پر معصومین علیہم السلام کے کلمات میں عام طور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوہ قاف مثل زمرد کے سبز ہے یا مثل زبرجد کے سبز ہے اور یہ کہ سبزی سمار کی اسی سے ہے اور اس کی سبزی روشنی و تاریکی کے اختلاط سے پیدا ہوئی ہے۔ روشنی تو وہ جو زمین سے منعکس ہو کر اوپر کی طرف جاتی ہے اور تاریکی خود فضا کی۔

دوسرا سبب قاف سے ظلّ ارض مراد لینے کا یہ ہے کہ قاف کی

تخصیص کچھ ہماری ہی زمین سے نہیں ہے۔ بلکہ ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کل سیارات کی زمینوں کے لئے کوہ قاف ہے۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بعض حدیثوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قاف تمام خلائق کو محیط ہے اور بعض حدیثوں میں ہے کہ قاف ہماری اس زمین کے پیچھے واقع ہے۔ ان سب بیانات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قاف کسی خاص پہاڑ کو معصومؑ نے نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ زمین کے ظلّ مخروطی کو قاف سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ زمین کا یہ ظل رات کے وقت تو ہمیں محیط ہوتا ہے اور دن کے وقت زمین کے پیچھے ہوتا ہے۔ اس صورت میں کہا جاسکتا ہے تو تمام خلائق کو محیط ہے (کیونکہ شب و روز میں مل کر اس کا دورہ تمام مخلوقات کے سر پر سے ہو جاتا ہے)۔ نیز یہ کہ جیسا کہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ قاف کا طول ہزار سال کی مسافت کا ہے یعنی طول و عرض اس ظل کا تقریباً تین لاکھ فرسخ ہے اور سماء کے دونوں کنارے اس پر واقع ہیں۔ یہ بیان بھی اسی کا شاہد ہے کہ قاف سے مراد ظل ارض ہو۔

دوسرا لفظ اس حدیث میں سبعون ارضاً ہے۔ اس سے مراد بظاہر وہ سیارات ہیں جو ہمارے نظام شمسی سے خارج ہیں۔ یعنی علاوہ اس آفتاب کے اور بھی بہت سے آفتاب ہیں اور ان کے گرد بے شمار سیارات ہیں اور وہ سب بجائے خود مثل ہماری اس زمین کے آبادی و نشیب و فراز کوہ و دریا رکھتے ہیں لہٰذا ان کو ارض لکھنا بہت درست ہے۔ یا وہ سیارات مراد ہیں جو ہمارے نظام شمسی کے اندر داخل ہیں۔ اس بنا پر ان زمینوں سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے سیارات ہوں گے۔ جن کی تحقیق جدید محققین

نے کی ہے، کیونکہ یہ سیاراتِ صغار بھی ہمارے اس آفتاب کے گرد گردش کرتے ہیں، اور عدد میں تقریب قریب اتنے ہی ہیں جتنے کہ حدیث بالا میں مذکور ہیں بایں معنی کہ اس وقت تک جتنے سیارے اس قسم کے دریافت ہو سکے ہیں۔ ان کی تعداد تین سو اور چار سو کے درمیان میں ہے اور ان سب کے مدار مشتری و مریخ کے درمیان میں ہیں اس سبب سے یہ زمینیں بعد مریخ کے ہماری زمین سے زیادہ قریب ہیں۔ اسی بنا پر حضرتؑ کا یہ ارشاد کہ پشت قاف پر ستر زمینیں ہیں یعنی ظِل زمین کی جانب مخالف میں ستر زمینیں ہیں نہایت مناسب ہے۔

تیسرا لفظ حضرتؑ کے کلام کا "من ذہب ومن فضۃ" ہے، یعنی کہ وہ زمینیں جو اس زمین کے علاوہ ہیں سونے اور چاندی وغیرہ کی ہیں" اس امر کے متعلق ہم اپنی رائے کچھ نہیں ظاہر کر سکتے کیونکہ ان سیارات کی حقیقت ہمیں معلوم نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں اس امر کو تسلیم کرنا لازم ہے کہ رسولؐ خدا جو کچھ فرمایا ہے وہی صحیح ہے ممکن ہے کہ ان سیارات پر مادہ ذہب ہو واللہ عالم نیز یہ بھی محتمل ہے کہ حضرتؑ کا مطلب یہ ہو کہ وہ زمینیں سونے چاندی اور مشک کے رنگ کی ہیں جس طرح ہماری زمین کے بعض حصے سرخ رنگ کے بعض سفید رنگ کے بعض سیاہ رنگ کے ہیں۔

رہا یہ امر کہ حضرتؑ نے فرمایا ہے کہ ان زمینوں میں نہ حرارت ہے نہ برودت (بلکہ معتدل حالت پر ہیں) تو یہ بھی بہت درست ہے اور ان ستاروں کی حالت پر اچھی طرح منطبق ہے کیونکہ آفتاب کی حرارت کا غلبہ زیادہ تر ہوگا جہاں تک کہ اس کے قرص کا قرب ہے۔ پھر جس قدر قرب میں کمی ہوتی جائے گی اسی قدر حرارت کم ہوتی

جائے گی یہاں تک کہ حدود نظام شمس کے پاس یعنی فلک نیپچون کے بعد بالکل فنا ہو جائے گی۔ برودت اس کے برعکس ہے۔ یعنی نیپچون کے بعد سے اس کا غلبہ ہوگا پھر وہ غلبہ کم ہوتا جائے گا یہاں تک کہ قرص آفتاب کے پاس آکر بالکل فنا ئے برودت ہو جائے گا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو سیارات کو جیک مریخ و مشتری کے درمیان واقع ہیں جو کہ نظام شمسی کا حد وسط ہے ان میں گرمی وسردی دونوں معتدل ہوں گی۔ اور یہ کہنا درست ہوگا کہ وہاں گرمی ہے نہ سردی۔

آخر میں حضرت صلعم نے یہ فرمایا ہے کہ " طول کل ارض عشر الف سنتہ ہے" اس میں محتمل ہے کہ عشر بضم عین وشین پڑھیں تو حاصل یہ ہوگا کہ طول ہر زمین کا ایک برس کی راہ کا ہے اور یہ احتمال اس مقدار کے خلاف بھی نہ ہوگا جو ماہرین علم الافلاک نے ان سیاروں کے لئے دریافت کئے ہیں اور اگر بفتح عین وشین پڑھیں تو بظاہر یہ احتمال ہے کہ طول ارض سے مراد اس کے مدارات کا طول ہے جو بحیثیت آفتاب کے گرد گردش کرنے کے ہوتا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ مراد حضرت صلعم کی یہ ہو کہ ہر زمین کا فاصلہ ہم سے دس ہزار برس کی راہ کا ہے۔ البتہ ان الفاظ سے چونکہ فی گھنٹہ رفتار واضح نہیں ہے اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ سفر کی یہ مجموعی مدت پا پیادہ سفر پر محتمل ہے یا کسی سواری کے ذریعہ سفر پر محتمل ہے نیز دور جدید کے تیز رفتار راکٹ کے ذریعہ سفر پر محتمل کرنا بھی درست ہوگا کہ جس کے ذریعہ برسوں کی راہ گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہے۔

اشرف آسمان اور اشرف زمین

درمنثور میں علامہ سیوطی نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ

رسول خدا نے فرمایا سید السمٰوات التی فیہا العرش وسید الارضین التی انتم علیہا۔ یعنی تمام آسمانوں میں معزز وہ آسمان ہے جس پر عرش ہے اور کل زمینوں میں اشرف وہ زمین ہے جس پر تم لوگ آباد ہو" اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمینیں بہت ہیں منجملہ ان کے ایک یہ زمین ہے جس پر بنی آدم سکونت پذیر ہیں۔

غرضیکہ قرآن مجید اور احادیث نبویؐ واحادیث ائمہ معصومین میں افلاک، زمین کے متعلق جو حقائق واضح فرمائے گئے ہیں ان کی تصدیق و توثیق جدید ماہرین علم الافلاک کے نظریات سے بھی ہوتی ہے بشرطیکہ چشم بصیرت سے ان کا مطالعہ تحقیقی انداز پر کیا جائے اور تنگ نظری اور تعصب کی رو سے نہ دیکھا جائے۔

ستاروں کی گردش اور اُس کے مصالح

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے حدیث توحید مفضل میں ستاروں کی گردشیں اور دن و رات کے نظام کے بارے میں جو اسرار بیان فرمائے ہیں وہ جدید علم الافلاک کی رو سے نیز علم طب کی رُو سے نہایت گرانقدر ہیں اس لئے کہ اس وقت تک علم الافلاک کی تحقیق کے لئے نہ جدید آلات دریافت ہوئے تھے اور نہ علم طب اور سائنس نے اس درجہ ترقی کی تھی۔ پس واضح ہے کہ اسرار کائنات جو آپ نے بیان فرمائے وہ الہامی ہیں اور براہ راست حضرت رسولِ خدا صلعم سے آپ کو حاصل ہوئے۔ ان احادیث کا انتخاب درج ذیل ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے جناب مفضل سے ارشاد فرمایا: اے مفضل! اب ان لوگوں سے سوال کر جو دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ ستارے جو اپنے طالع کے ساتھ متحرک ہیں کسی مدبر کی تدبیر اور کسی صانع کی تقدیر کو اس بات میں کوئی دخل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہی ہوتا جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو کیوں یہ سب کے سب ساکن نہیں رہتے اور کیوں سب کے سب ایک برج سے دوسرے برج میں نہیں چلے جاتے۔ کیونکہ ایک ہی کام ہو سکتا ہے۔ دو مختلف حرکتیں بوزن معلوم و اندازہ مقررہ کیوں کر ظہور میں آتی ہیں پس اسی بات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں مختلف حرکتوں کی بنا عہد و تقدیم اور تدبیر خبیر پر رکھی گئی ہے اور محض اتفاقی نہیں ہے جیسا کہ ملاحدہ کا قول ہے۔

اگر کوئی کہے کہ کس لئے بعض ستارے تابندہ ہیں اور بعض متغیر تو ہم جواب دیں گے۔ اگر سب کے سب ایک ہی روش پر ہوتے اور ان کے وضائع و آلات میں اختلاف نہ ہوتا تو بے شک وہ دلالت جو اوضاع نجوم سے پیدا ہو کر حالات آئندہ کی خبر دیتی ہے اور اسباب علوم انبیاء و اوصیا علیہم السلام میں ہے یہ بھی ایک سبب ہے وہ برطرف ہو جاتی، چنانچہ آفتاب و نجوم کی منزلیں اور برج اور ان کے اختلافی حالات سے جو منجم بذریعہ مقابلہ و مقاربہ و تثلیث و تربیع و تسدیس احکام لگاتے ہیں جو اس کے بعد عالم میں حادث ہونے والے ہیں۔ اگر یہ سب کے سب متنقل ہوتے اور حرکات مرتبہ کے ساتھ حرکت کرتے تو سیاروں کی منزلیں اور برج معلوم نہ ہوتے اور بروج کی علامتیں اور ان کے نام فوت ہو جاتے۔ کیونکہ انتقال سیارات کو محاذات صوری کے ذریعہ سے بمقابلہ ثوابت معلوم کر سکتے ہیں۔ اگر

سب کے سب ایک ہی حرکت سریعہ کے پابند ہوتے تو یہ بات پیدا نہ ہوتی اور وہ مصلحتیں جو اس انتقال سے منظور ہیں فوت ہو جاتیں اور اس وقت کہنے والا کہہ سکتا تھا کہ چونکہ سب کی حرکت ایک ہی قسم کی ہے ممکن ہے طبیعت بے شعور ہی سے وقوع میں آ رہی ہو پس یہ اختلاف اس نظم ونسق اور موافقت حکم ومصالح کے ساتھ اس بات کے لئے دلیل ہے کہ یہ حرکت جہل اور اتفاق نہیں بلکہ اس کا مصدر تقدیر قادر خلاق ہے۔

اے مفضل! دیکھو بعضے ستارے سال بھر میں کبھی تو ظاہر ہوتے ہیں کبھی پنہاں مانند ثریا وجوزا وغیرہ کیونکہ اگر یہ سب ایک ہی وقت میں ظاہر ہوتے تو ان میں سے ہر ایک کے طالع ہونے سے جو فصول نیز احوال مختلفہ پر استدلال کیا جاتا ہے۔ کب ہو سکتا چنانچہ بعض ستارے کے ظاہر ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میوے پک جائیں گے اور بعض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب فلاں فصل آ جائے گی علیٰ ہذا اور بہت سی باتیں ہیں اسی لئے کواکب میں سے بعض کو کبھی ظاہر کبھی پنہاں قرار دیا اور بعض کو دائم الظہور رکھا جو کبھی غائب نہیں ہوتے۔ مانند بنات النعش صغریٰ جو سات ستارے ہیں اور جدی وفرقدان بھی انہی میں سے ہیں۔ اس لئے کہ مصلحت اسی میں ہے کہ یہ ستارے اسی طرح ہمیشہ ظاہر ہیں تاکہ قبلہ معلوم کرنے اور سمتوں کے دریافت ہونے اور صحرا اور دریا میں راستوں کے جان لینے کے لئے علامت ہوں۔ چونکہ یہ ستارے دنیا میں اکثر ابدی الظہور ہیں اور غالباً لوگوں کی نظر سے پنہاں نہیں ہوتے۔ لہذا ان کے سبب سے سمتوں اور راستوں کی ہدایت حاصل ہوتی ہے ان دو مختلف باتوں (ظہور و پوشیدگی) میں سے ہر

یک ہیں مصلحت عظیم ہے۔

مذکورہ اقوال امامؑ کی روشنی میں ستاروں اور کواکب کی گردش اور اس کے نتائج و اثرات واضح ہوتے ہیں۔ علم نجوم سے متعلق یہ گراں قدر اقوال ہیں کہ جن کے ذریعہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے عرفان حق تعالے کو بیان فرمایا ہے۔

دن اور رات کا نظام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے دن اور رات کی مقدار اور تبدیلی سے متعلق حقائق کو بیان فرماتے ہوئے مصالح قدرت الٰہیہ پر روشنی اس طرح ڈالی۔

اے مفضل! اب تم دن رات کی مقدار پر نظر کرو کہ کس طرح بندوں کی مصلحت کو مدنظر رکھ کر قرار دی گئی ہے۔ دن کی غائت مقدار اکثر دنیا میں پندرہ ساعت سے زیادہ نہیں ہے اگر دن سو یا دو سو ساعت کا ہوتا تو بے شک حیوانات و نباتات جو کچھ روئے زمین پر ہیں ہلاک ہو جاتے حیوانات تو اس لئے کہ اس مدت طویل میں انہیں آرام و سکون میسر نہ ہوتا۔ چوپائے برابر چرتے رہتے اور درندے مسلسل اپنے اعمال میں مشغول رہتے اور یہ امور ان کی ہلاکت کا موجب ہوتے اور نباتات حرارت آفتاب سے اس طول طویل مدت میں فنا ہو جاتے اور جل کر رہ جاتے ایسا ہی رات اگر سو ساعت یا دو سو ساعت کی ہوتی۔ حیوانات اس مدت مدید میں حرکت سے باز رہتے۔ طلب معاش نہ کر سکتے اور گرسنگی سے ہلاک ہو جاتے اور نباتات کی حرارت طبیعیہ کم ہو جاتی اور وہ فاسد و متعفن

ہو جاتے جیسا کہ اس مقام کی روئیدگی جہاں آفتاب نہیں پہنچتا ہے اکثر فاسد ہو جاتی ہے۔ اس گرمی و سردی سے عبرت حاصل کرو۔ جو متواتر اس عالم پر وارد ہوتی ہیں اور زیادتی و نقصان و اعتدال کے ساتھ اس جہان پر تصرف کرتی ہیں۔ اس لئے کہ ہر سال میں چار فصلیں ہوتی ہیں جن سے وہ مصالح کہ جو اس عالم کے لئے ضروری ہیں ظہور میں آتے ہیں نیز یہ گرمی اور سردی بدنوں کو دباغت دیتی ہیں انہیں رُوح پہ اصلاح لاتی ہیں اگر یہ دونوں کیفیات حیوانوں و انسانوں کے بدنوں پر وارد نہ ہوں تو ان کے بدن فاسد اور ضائع ہو جائیں۔

پھر گرمی اور سردی بتدریج آہستہ آہستہ ایک دوسرے میں داخل ہوتی ہے سردی تھوڑی تھوڑی کم ہوتی ہے یہاں تک کہ گرمی اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے۔ اور گرمی رفتہ رفتہ گھٹتی ہے۔ حتیٰ کہ سردی اپنا شباب دکھلاتی ہے اگر یہ امر ناگہانی ہوتا یعنی ابھی کڑکڑاتا ہوا جاڑا پڑ رہا ہے اور ابھی چلچلاتی دھوپ پڑنے لگتی تو بے شک اس سے بدنوں کو بہت نقصان پہنچتا۔ اور اکثر امراض مزمنہ پیدا ہو جاتے۔ جیسا کہ کوئی شخص حمام کے گرم درجے سے نکل کر فوراً سرد ہوا میں چلا جائے تو اُسے بہت نقصان اور ضرر پہنچتا ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اگر گرمی نہ ہوتی تو کبھی میوے پختہ اور رس دار نہ ہوتے اور لوگ میوہ ہائے تر و خشک سے منتفع نہ ہو سکتے اور اگر سردی نہ ہوتی تو زراعت زمین پر زیادہ نہ ٹھہر سکتی اور اس قدر بار ور نہ ہوتی کہ اس کے ذریعہ انسانی ضروریات پورے ہو سکیں اور نہ اتنا زیادہ تخم ہاتھ لگتا کہ جسے آئندہ بونے کے لئے بھی نہ رہتے دیا جائے۔ پس اے مفضل کیا تم نہیں دیکھتے کہ گرمی ہو یا سردی ہر ایک میں کیا کیا منفعتیں اور مصلحتیں خداوند عالم نے رکھی ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے مذکورہ اقوال سائنس کے
ین مطابق ہیں، امامؑ نے کس خوبی کے ساتھ دن اور رات کے نظام اور
رارت و برودت کی منفعت پر روشنی ڈالی ہے اور سائنٹفک دلائل
ی روشنی میں وجود باری تعالیٰ اور اس کی حکمتوں کو واضح فرمایا ہے۔
اللّٰھم صلّی علی محمد وآلِ محمد ہ

چاند کا سفر۔ اسلامی نظریات کی روشنی میں

۱۹۶۹ء میں یہ خبریں عام ہوئیں کہ اہل امریکہ خلائی سفر طے
کر کے چاند پر پہنچ گئے۔ انہوں نے چاند کی سیر کی اور وہ چاند کی
ی مٹی بھی ساتھ لائے اور اس مٹی کی نمائش پوری دنیا میں کرائی گئی
ور ساری دنیا نے اس مہم کے سر کرنے پر امریکہ کو مبارکباد بھی دی۔
ہلِ اسلام نے اپنے عقائد کی روشنی میں اس مہم سے متعلق متعدد
ضامین لکھے اور رسائل بھی شائع کئے اور چاند کے سفر کے امکان کو
یات قرآن مجید و احادیث کی روشنی میں واضح کیا۔
دورانِ ریسرچ علامہ حکیم سید غلام حسنین کنتوری (متوفی ۱۹۱۸ء)
کے متعدد مضامین امریکہ کے چاند کے سفر سے متعلق علامہ کی تصنیف
واعظ حسینیہ جلد دوم مطبوعہ سنہ ۱۲۹۱ھ (مطابق ۱۸۷۵ء) مطبوعہ
طبع اخبار الاخبار میں احقر کی نظر سے گزرے۔ ان مضامین کو دیکھنے کے
عد احقر کو بہت تحیّر ہوا کہ امریکہ آج نہیں بلکہ آج سے سو سال قبل چاند
کے سفر کا نہ صرف منصوبہ بنا چکا تھا بلکہ چاند تک اس کی رسائی کی خبریں

عام بھی ہو چکی تھیں کہ جس پر علامہ کنتوری نے اسلامی عقائد کی روشنی میں تبصرہ فرمایا۔

علامہ کنتوری کے مضامین کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ امریکی سائنس داں خلائی سفر کو نہ صرف ممکن بلکہ آسان بنانے کے لئے ایک صدی سے مسلسل کوشش اور جدوجہد کر رہے ہیں اور امریکہ کا موجودہ چاند کا سفر گذشتہ ۱۹۷۲ء کا نہیں بلکہ سو سال قدیمی ہے۔ امریکہ کا موجودہ چاند کا سفر ایک سو سال کے بعد ایک جدید صورت سے تکمیل کو پہنچا ہے اور اس سفر کو علامہ کنتوری کے مضامین کی روشنی میں چاند کے سفر کی ایجاد نہیں بلکہ چاند کے سفر کی تجدید کہا جا سکتا ہے کہ سو سال کی تحقیق وریسرچ کے بعد امریکی سائنسدانوں نے ایک جدید سائنٹفک طریقہ سے چاند کے سفر کی مہم کو طے کیا ہے چاند کی سیر کی ہے اور چاند کی مٹی ساتھ لائے ہیں۔

چاند کے سفر سے متعلق آج سے سو سال پہلے بھی ۱۸۷۱ء میں اہل امریکہ کا منصوبہ کیا تھا اور چاند کے سفر سے متعلق اہل امریکہ کس قدر کامیابی حاصل کر چکے تھے۔ اگر یونائیٹڈ اسٹیٹس انفارمیشن سروس اس کو شائع کر دے تو چاند کے سفر کے منصوبہ کی صد سالہ تاریخ سامنے آجائے۔

اس تمہید کے بعد اہل امریکہ کے چاند کے سفر سے متعلق علامہ کنتوری کے سو سال قبل کے مضامین کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ تاکہ ناظرین کو آج سے سو سال قبل اہلِ امریکہ کے چاند کے سفر کے منصوبہ نیز اس پر اہلِ اسلام کے خیالات اور اس منصوبہ پر علامہ کنتوری کے نظریات اسلامی عقائد کی روشنی میں واضح ہوں۔

امریکہ کے چاند کے سفر سے متعلق آج سے ایک سو سال قبل جو خبر

شائع ہوئی عام لوگوں نے اس خبر کا یقین نہ کیا اور چاند کے سفر کے امکان کو غیر یقینی خیال کیا۔ لیکن علامہ کنتوری جو فلسفہ علم ہیئت جغرافیہ، سائنس اور دیگر جدید علوم میں گہری نگاہ رکھتے تھے اس خبر پر اظہار اطمینان فرمایا اور اس خبر پر یقین فرماتے ہوئے اہل امریکہ کے چاند کے سفر کے خلاف عام لوگوں کے خیالات کی تردید قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں کی اور عقائد اسلامی کی رو سے اس خبر کا اثبات فرمایا اور اس طرح وہ شکوک و شبہات رفع ہوئے جو چاند کے سفر کی خبر سے عام لوگوں کے دل و دماغ میں پیدا ہو گئے تھے۔

علامہ کنتوری بعنوان" امریکہ کے چاند میں جانے سے اہل اسلام کے خیالات" کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔

ایک مہینہ کی مدت سے اس خبر کے مشہور ہونے اور خصوصاً جب سے ان لوگوں کی رسید کی چٹھی خیالی کرہ قمر سے آئی اور درج اخبار ہوئی۔ اہل اسلام کے طرح طرح کے خیالات درج تحریرات ہوتے رہتے ہیں اور اکثر لوگ زبانی بھی خاکسار سے پوچھتے ہیں کہ آخر یہ بات کیسی ہے ممکن بھی ہے یا نہیں اور بوجہ ناواقفیت کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اگر امریکہ کرۂ قمر پر پہنچ گیا تو معاذاللہ اہل اسلام کی مذہبی کتابوں کی صحت میں شک پڑے گا۔ اور زیادہ تر اضطراب کی وجہ یہ ہے کہ بعض نیم ملا خطرۂ ایمان، ایسا اعتقاد رکھتے ہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیات سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آسمان تک رسائی کسی کی سوائے فرشتوں کے ممکن نہیں اور آیات لا یسمعون الی الملاء الاعلیٰ ویقذفون من کل جانب دحورا ولھم عذاب واصب جو سورہ صافات میں

وارد ہے اور مخاطب اس خطاب سے خاص شیاطین ہیں اور باوجود یہ کہ خاص شیاطین کا اس میں ذکر ہے مگر انسان کو بھی اس میں شامل کر لیتے ہیں الخ ـــــ بہر حال آیۂ شریفہ میں شیاطین کے آسمان پر آنیکی صریح ممانعت وارد ہے۔

علامہ کنتوری کے اس استدلال کی روشنی میں واضح ہے کہ آسمان اور چاند وغیرہ تک شیاطین کی رسائی ممکن نہیں لیکن انسان کے لئے خلائی سفر اور سیاروں تک انسان کی رسائی ممکن ہے اور اس دعوے کے اثبات میں علامہ کنتوری فرماتے ہیں۔

" زندہ انسان کا آسمان پر بطریق اعجاز جانا جیسے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وآلہٖ وعلیہ السلام چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے اور ہمارے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شب معراج کو اسی جسمانی حالت میں بالائے عرش تک پہنچے۔ اس کا قرآن و حدیث سے مسلمانوں کے ثابت نہیں اور نہ اس کا انکار ہے کہ آدمی کسی عقلی حکمت عملی سے کرۂ قمر تک پہنچ سکے۔"

(مواعظ حسینیہ جلد ۲۔ مطبوعہ ۱۲۹۱ھ)

علامہ کنتوری اپنے ایک اور مضمون العنوان " چاند پر جانے والوں کی نسبت اہل اسلام کے خیالات " میں تحریر فرماتے ہیں۔

" ہم اپنے برادران ایمانی کو آگاہ کرتے ہیں کہ جو بات ہمارے احادیث اور کتب دینیہ سے ہم پر ثابت ہو جائے وہ خلاف رائے حکمائے یونانیین ہو اور چاہے خلاف تحقیقات جدیدہ اہل یورپ ہو، ہم اسی کا اعتقاد کرنا واجب ہے اور جہاں تک ہو سکے گا ہم اس کے مخالف کو رد کر دیں گے۔"

بصائر الدرجات سے ایک روایت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے

نقل کی ہے، اسے بلفظہٖ ہم درج کرتے ہیں۔

"امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سوائے اس آفتاب کے جسے تم لوگ دیکھ رہے ہو چالیس آفتاب اور ہیں جن میں بہت سی خلقت خدا کی رہتی ہے۔ ان مخلوقات کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خدا نے حضرت آدم ؑ یا اولادِ آدم کو پیدا کیا ہے یا نہیں پیدا کیا۔"

ملاحظہ کرو ایسے برادران ایمانی کو جناب جعفر صادق علیہ السلام نے کیسی خبر دی ہے کہ اقمار (جمع قمر یعنی چاند) میں آبادی مخلوقات خدا کی ہے۔ پس ہم کو اگر کسی ذریعہ سے اس آبادی پر اطلاع ہو سوائے وحی الٰہی کے تو یہ بات ہمارے عقائد مذہبی کے مطابق ہوگی یا مخالف۔

دوسری حدیث کافی کتاب التوحید میں طولانی منقول ہے جس میں ابن ابو العوجاء سے جناب صادق علیہ السلام نے کچھ استدلال فرمایا ہے۔ مقام مناسب کو ہم نقل کرتے ہیں اور اس حدیث کی نقل سے غرض یہی ہے۔ آسمان پر آبادی کا ہونا ہمارا عقیدہ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"حضرت نے فرمایا۔ اے ابو العوجاء! تیرا قول اور ان کا (مسلمانوں کا) کیوں کر ایک ہو سکتا ہے۔ حالانکہ ان کا اعتقاد تو یہ ہے کہ معاد جسمانی اور اعادۂ معدوم ہو گا اور ثواب اور عقاب کے بھی یہ لوگ قائل ہیں اور یہ بھی ان کا اعتقاد ہے کہ آسمان بھی خدا کی خدائی میں ہے اور آسمان بھی آباد ہیں مخلوقات خدا سے اور تمہارا یعنی دہریہ اور زنادقہ کا اعتقاد یہ ہے کہ آسمان پر ویرانہ ہے اور آبادی نہیں ہے۔

غرض کہ علامہ کنتوری نے مذکورہ ۲ احادیث پیش کی ہیں جن سے واضح ہے کہ عقائد اسلامی کی رو سے سیاروں پر آبادی موجود ہے۔ لیکن تفصیل اس کی کیا ہے اس کو احادیث میں بیان نہیں کیا گیا۔ اگر خلائی سفر میں کامیابیاں ہوئیں اور انسان سیاروں کی سیر کر سکا اور مخلوقات کا مشاہدہ تفصیلات کے ساتھ کر سکا تو مخلوقات کی تفصیلات بھی معلوم ہوں گی اور آیات واحادیث کی مزید تصدیق وتوضیح ہو گی۔ جدید خلائی پروازوں کی روشنی میں اب وہ دن دور نہیں کہ انسان کو سیاروں کے جملہ مخلوقات کی نہ صرف معلومات تفصیل کے ساتھ ہو گی بلکہ انسان بچشم خود ان کا معائنہ اور مشاہدہ بھی تفصیل کے ساتھ کر سکے گا۔

نیز ایک مضمون کے آخر میں علامہ کنتوری فرماتے ہیں۔

" ہم تو جدید تحقیقات اہل یورپ کی رو سے جو ۱۷ چاند دریافت ہوئے ہیں، یہی کہیں گے کہ چالیس میں سے ابھی سترہ معلوم ہوئے ہیں اور ۲۳ اور باقی ہیں۔"

علامہ کنتوری نے یہ جملہ آج سے سو سال قبل فرمایا تھا۔ آج اہل علم جانتے ہیں کہ خلائی معلومات اور سیاروں کے علم میں کس قدر اضافات ہوئے ہیں۔ زمین کے مدار میں گردش کرنے والا خلائی اسٹیشن امریکہ نے قائم کر دیا ہے جس کو اسکائی لیب کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور اس کے ذریعہ سورج ستاروں اور زمین اور دیگر سیاروں سے متعلق انسان کے علم میں روز افزوں اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہ ساری معلومات جو آج ہو رہی ہیں یا آئندہ ہوں گی ہو سکتا ہے کہ آیات قرآنی کی تفسیر اور احادیث کی تشریح کے مترادف ہوں۔

علامہ کنتوری نے سرعت رفتار پر شبہ کرنے والوں کو جواب دیتے ہوئے اپنی تصنیف رسالہ معراجیہ میں ارقام فرمایا ہے کہ قانون قدرت نے سرعت رفتار اجسام کی کوئی ایسی حد نہیں مقرر کی ہے جس سے بڑھ کر سرعت نہ ہو سکے۔ اب دیکھو ہوا اور دخان (گیس) اور آواز اور نور اور ہمارا نورِ بصر اور قوتِ برقی جس کے ذریعہ سے تار پر خبر دی جاتی ہے کہ سات منٹ میں ۴۲ ہزار میل کی حرکت ہے اور سیارات فلکی کے حرکات بہ سبب نظائر صحیحہ تیز رفتار کے ہیں (اس مقام پر علامہ کنتوری نے ایٹمی طاقت اور اس کی سرعت رفتار کا ذکر نہیں فرمایا اس لئے کہ آپ کے عہد میں ایٹمی طاقت کے مظاہرے سامنے نہیں آئے تھے۔ آج دنیا نے سمجھ لیا ہے کہ ایٹمی طاقت سے سرعت رفتار اور بلندی پرواز کو بڑی حد تک بڑھایا جا سکتا ہے!

علامہ کنتوری فرماتے ہیں بعض کی مقدار سرعت کو ہم نے تحقیق کر لیا ہے۔ جیسے نور، تار برقی اور آواز اور بعض سیارات کی تیز رفتاری بھی معلوم ہو چکی ہے اور بہت سے تیز رفتار ایسے بھی ہیں کہ ابھی تک ہم نے ان کی رفتار سرعت کو نہیں پہچانا۔ یہ حال تو حرکت طبعی کا ہے ابھی حرکت ارادی اور حرکت قسری یا مرکب تو ان کی بھی سرعت کی کوئی حد مقرر نہیں ہے، رسالہ معراجیہ مطبوعہ مطبع ناصری جونپور صفحہ ۱۱۰۲ سرعت رفتار پر شبہ اسی کا عارض ہوا ہے جس کو علم حرکت کے اصول قدیمہ و جدیدہ معلوم نہیں ہیں (معراجیہ صفحہ ۱۰)

علامہ کنتوری نے سیر افلاک کو طبعی مصنوعی اور روحانی تینوں طریقوں سے ثابت فرمایا ہے اور یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ انسان کے

لئے افلاک اور سیاروں کا سفر آسان ہے۔ نیز ایک ہی سیارہ پر مثلاً زمین پر طئ الارض یعنی مسافت کو جلد سے جلد طے کر لینا بھی نہ صرف ممکن بلکہ آسان ہے۔ بشرطیکہ وہ ان علوم سے واقف نہ ہو، جن کے ذریعہ سیر افلاک و طئ الارض آسان ہے لیکن روحانی ذریعہ نہایت اعلیٰ و ارفع مدارج کا حامل ہے۔ جہاں تک عام انسانوں کی رسائی کسی بھی ذریعہ سے محال ہے وہ معراج ہے جو جسمانی طور پر خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہوئی اور جس کی حد "دَنیٰ فَتَدَلّٰی وقَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ" ہے۔

تعارفِ مؤلف

اس رسالہ کے مولف پروفیسر حکیم سید محمد کمال الدین حسین
ہمدانی رئیس جلالی ضلع علی گڈھ ہیں آپ کی حیات کا زیادہ حصہ اجمل
خاں طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں گذرا جہاں دورِ حاضر
میں وہ پروفیسر ہیں تصنیف و تالیف سے آپ کو دلچسپی رہی متعدد
دینی و طبی کتب آپ کی ہندوستان کے مشہور اداروں سے شائع
ہو چکی ہیں اور خراجِ تحسین پا چکی ہیں۔

حی علی الفلاح سوسائٹی رجسٹرڈ علی گڈھ سے ڈاکٹر شیخ
علی محمد محسن العصفور مجتہد العصر مدظلہ العالی کی سرپرستی میں آپ کے
حسب ذیل رسائل شائع ہو چکے ہیں۔ جو آپ نے اشاعت علوم اہلبیتؑ
علیہم السلام کے مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھے ہیں۔

(۱) تشریح وفاتی (۲) علاج الامراض قرآن و حدیث کی روشنی
میں (۳) قرآن اور علم الافلک اور جدید آپ کی تالیفات سے چوتھا
رسالہ اسرار کائنات مواعظ جعفریہ کی روشنی میں۔

رنگ محل پبلی کیشنز سے شائع ہوا